سورۂ ص

رکوعاتہا ۵ ﴿۳۸ سورۃ ص مکیۃ ۳۸﴾ آیاتہا ۸۸

تمام کے قول میں یہ سورت مکی ہے اس کی چھیاسی آیات ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کی اٹھاسی آیات ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔

صٓ وَالْقُرْاٰنِ ذِي الذِّكْرِ ۝ بَلِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فِيْ عِزَّةٍ وَّشِقَاقٍ ۝ كَمْ اَهْلَكْنَا مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنْ قَرْنٍ فَنَادَوْا وَّلَاتَ حِيْنَ مَنَاصٍ ۝

"ص قسم ہے قرآن، سراپا نصیحت کی (دعوت محمدی حق ہے) لیکن یہ کفار تکبر اور مخالفت میں اندھے ہو گئے ہیں۔ بہت سی امتوں کو ہم نے ہلاک کر دیا اس سے پہلے پس وہ فریاد کرنے لگے اور نہیں تھا یہ وقت بچ نکلنے کا"۔

عام قراءت دال کی جزم کے ساتھ وقف کی صورت میں ہے کیونکہ یہ حروف تہجی میں سے ایک ہے جس طرح الٓمٓ اور الٓمٓرٰ ہے۔ حضرت ابی بن کعب، حضرت حسن بصری، ابن اسحاق اور نصر بن عاصم نے صادِ پڑھا ہے یعنی دال کے نیچے کسرہ ہے اور تنوین نہیں۔ اس کی قراءت کی وجہ سے دو مذہب ہیں: (1) یہ صَادٰی یُصَادِی سے مشتق ہے جب یہ عارض کے معنی میں ہو اسی سے فَاَنْتَ لَهٗ تَصَدّٰى ۝ (عبس) ہے یعنی تو اس کا سامنا کرتا ہے مصاداۃ کا معنی معارضہ ہے اسی سے ایک لفظ صدی ہے اس سے مراد وہ چیز ہے جو خالی جگہوں میں آواز کے مقابل ہوتی ہے اس کا معنی ہے قرآن کے مقابل ہو اپنے عمل کے ساتھ اور اس کے اوامر پر عمل کر اور اس کی نواہی سے رک جا۔

نحاس نے کہا: یہ مذہب حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے انہوں نے اس کے ساتھ تفسیر بیان کی ہے ان کی قراءت صحیح روایت ہے ان سے یہ بھی مروی ہے کہ اس کا معنی ہے اس کی تلاوت کیجئے اور اس کی قراءت کا سامنا کیجئے۔ دوسرا مذہب یہ ہے کہ دال اجتماع ساکنین کی وجہ سے مکسور ہے عیسیٰ بن عمر نے صادَ یعنی دال کے فتحہ کے ساتھ پڑھا ہے اس کی مثل قاف اور نون ہے اس کا آخر مفتوح ہے اس بارے میں بھی تین مذہب ہیں: (1) یہ اُتْلُ کے معنی میں ہو (2) فتحہ اجتماع ساکنین کی وجہ سے ہو اور فتحہ کو اتباع کی وجہ سے اختیار کیا۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ یہ حرکات میں سے خفیف ترین حرکت ہے (3) یہ قسم کی بنا پر حذف ہے اور فعل قسم موجود نہیں جس طرح تیرا یہ قول ہے: اللہ لأفعلن ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ اغراء کی وجہ سے منصوب ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کا معنی ہے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے مخلوقات کے دلوں کو شکار کیا اور انہیں مائل کیا یہاں تک کہ وہ آپ پر ایمان لے آئے۔

ابن ابی اسحاق نے صادٍ پڑھا ہے یعنی دال مکسور ہے اور اس پر تنوین ہے اس کی صورت یہ ہو سکتی ہے کہ یہ حرف قسم کے

حذف کی وجہ سے مجرور ہے۔ یہ قول بعید ہے اگرچہ سیبویہ نے اس کی مثل کو جائز قرار دیا ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ اسے ان اصوات کے مشابہ قرار دیا گیا ہو جو غیر منصرف ہیں ہارون اعور اور محمد بن سمیقع نے اسے صادُ، قافُ اور نونُ پڑھا ہے کیونکہ یہ اکثر مبنی ہوتا ہے جس طرح منذ، قط، قبل، بعد۔

صٓ کو جب تو سورت کا نام بنائے تو یہ منصرف نہ ہوگا جس طرح جب تو کسی مؤنث کا نام اسم مذکر سے رکھے تو وہ منصرف نہیں ہوتا اگرچہ اس کے حروف قلیل ہی کیوں نہ ہوں۔

حضرت ابن عباس اور حضرت جابر بن عبداللہ سے صٓ کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے کہا: ہم نہیں جانتے کہ یہ کیا ہے۔ عکرمہ نے کہا: نافع بن ازرق نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے صٓ کے بارے میں پوچھا تو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: صٓ مکہ مکرمہ میں ایک سمندر تھا اسی پر رحمٰن کا عرش تھا جب رات اور دن نہیں تھا۔

حضرت سعید بن جبیر نے کہا: صٓ سے مراد وہ سمندر ہے جس کے ذریعے دو نفخوں کے درمیان اللہ تعالیٰ مخلوقات کو زندہ کرے گا۔

ضحاک نے کہا: اس کا معنی ہے اللہ تعالیٰ نے سچ فرمایا۔ ان سے یہ بھی مروی ہے: صٓ ایک قسم ہے اللہ تعالیٰ نے اس کے ساتھ قسم اٹھائی ہے یہ اللہ تعالیٰ کے اسماء میں سے ہے؛ یہ سدی نے کہا اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے۔

محمد بن کعب نے کہا: یہ اللہ تعالیٰ کے اسماء کی چابی ہے جو صمد، صانع المصنوعات اور صادق الوعد ہیں۔ قتادہ نے کہا: یہ رحمٰن کے اسماء میں سے ایک اسم ہے۔ ان سے ایک قول یہ بھی مروی ہے کہ یہ قرآن کے اسماء میں سے ایک اسم ہے(1)۔ مجاہد نے کہا: یہ سورت کا آغاز ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ ان چیزوں میں سے ہے جسے اللہ تعالیٰ نے اپنے علم کے ساتھ خاص کیا ہے۔

وَ الْقُرْاٰنِ واوَ کی وجہ سے یہ اسم مجرور ہے واوَ، باء کا بدل ہے۔ قرآن کی قسم اٹھائی مقصد اس کی عظمت شان پر آگاہی تھی کیونکہ قرآن میں ہر چیز کا بیان ہے یہ سینوں میں موجود ہر مرض کی شفا ہے اور یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ ہے۔

ذِی الذِّكْرِ ۝ صفت ہونے کی وجہ سے مجرور ہے جس کی علامت یاء ہے یہ ایسا اسم ہے جس میں حرف علت ہے اس میں اصل ذَوَی ہے جو فَعَل کا وزن ہے۔ حضرت ابن عباس اور مقاتل نے کہا: ذِی الذِّكْرِ کا معنی ہے ذی البیان۔ ضحاک نے کہا: اس کا معنی ہے ذی الشرف یعنی جو اس پر ایمان لایا وہ اس کے لیے دارین میں شرف کا باعث ہوگا جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: لَقَدْ اَنْزَلْنَاۤ اِلَیْكُمْ كِتٰبًا فِیْهِ ذِكْرُكُمْ (الانبیاء:10) اس آیت میں ذِكْرُكُمْ سے مراد تمہارے لیے شرف ہے۔ قرآن بذات خود شریف ہے کیونکہ یہ ایک معجزہ ہے اور ان چیزوں پر مشتمل ہے جس پر غیر مشتمل نہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ذِی الذِّكْرِ سے مراد ہے اس میں اس چیز کا ذکر ہے امور دین میں سے جس چیز کے وہ محتاج ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ذِی الذِّكْرِ سے مراد ہے اس میں اللہ تعالیٰ کے اسماء اور اس کی عظمت کا ذکر ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ موعظت اور ذکر والا ہے جواب قسم محذوف ہے۔ کئی وجوہ سے اس میں اختلاف کیا گیا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: جواب قسم صٓ ہے

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 75

کیونکہ اس کا معنی ہے حق پس یہ اللہ تعالیٰ کا فرمان وَالْقُرْاٰنِ کا جواب ہے جس طرح تو کہتا ہے: حقا واللہ، نزل واللہ، وجب واللہ۔ اس صورت میں وَالْقُرْاٰنِ ذِی الذِّكْرِ پر عطف کرنا بہت اچھا ہے اور فِیْ عِزَّةٍ وَّ شِقَاقٍ پر وقف تام ہوگا؛ یہ ابن انباری کا قول ہے اور ثعلبی نے یہی معنی فراء سے نقل کیا ہے۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: جواب بَلِ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا فِیْ عِزَّةٍ وَّ شِقَاقٍ ۝ ہوگا کیونکہ بل سابقہ امر کی نفی اور اس کے غیر کا اثبات ہے، یہ قتبی نے کہا گویا یوں کلام کی وَالْقُرْاٰنِ ذِی الذِّكْرِ ۝ بَلِ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا فِیْ عِزَّةٍ وَّ شِقَاقٍ ۝ یعنی وہ حق قبول کرنے اور حضرت محمد ﷺ سے دشمنی میں اندھے ہو گئے ہیں یا وَالْقُرْاٰنِ ذِی الذِّكْرِ یعنی معاملہ اس طرح نہیں جس طرح تم کہتے ہو کہ تو جادوگر، جھوٹا ہے کیونکہ وہ آپ کی سچائی اور امانت کو پہچانتے ہیں بلکہ وہ حق کو قبول کرنے سے تکبر کر رہے ہیں یہ بھی اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی طرح ہے: قٓ ۚ وَالْقُرْاٰنِ الْمَجِیْدِ ۝ بَلْ عَجِبُوْٓا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کا جواب كَمْ اَهْلَكْنَا ہے گویا کلام یوں ہوگی والقرآن لکم اهلکنا جب کم کو موخر کیا تو لام کو حذف کر دیا جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے وَالشَّمْسِ وَضُحٰىهَا ۝ (الشمس) پھر فرمایا: قَدْ اَفْلَحَ (الشمس: 9) اصل میں لقد افلح تھا۔

مہدوی نے کہا: یہ فراء کا مذہب ہے۔ ابن انباری نے کہا: اس توجیہ کی بنا پر فِیْ عِزَّةٍ وَّ شِقَاقٍ پر وقف مکمل نہ ہوگا۔ اخفش نے کہا: جواب قسم اِنْ كُلٌّ اِلَّا كَذَّبَ الرُّسُلَ فَحَقَّ عِقَابِ ۝ ہے اسی کی مثل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: تَاللّٰهِ اِنْ كُنَّا لَفِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ ۝ (الشعراء) اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَالسَّمَآءِ وَالطَّارِقِ ۝ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا الطَّارِقُ ۝ النَّجْمُ الثَّاقِبُ ۝ اِنْ كُلُّ نَفْسٍ (الطارق) ابن انباری نے کہا: یہ قبیح ہے کیونکہ دونوں کے درمیان کلام طویل ہوگئی ہے اور آیات وقصص بہت زیادہ ہو گئے ہیں۔ کسائی نے کہا: جواب قسم اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: اِنَّ ذٰلِكَ لَحَقٌّ تَخَاصُمُ اَهْلِ النَّارِ ۝۔

ابن انباری نے کہا: یہ پہلے سے بھی زیادہ قبیح ہے کیونکہ کلام قسم اور جواب قسم میں بہت طویل ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کا جواب اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: اِنَّ هٰذَا لَرِزْقُنَا مَا لَهٗ مِنْ نَّفَادٍ ۝ ہے۔ قتادہ نے کہا: جواب محذوف ہے تقدیر کلام یہ ہے وَالْقُرْاٰنِ ذِی الذِّكْرِ، لتبعثن ہے۔

فِیْ عِزَّةٍ بلکہ کافر تکبر میں مبتلا ہیں اور حق کو قبول کرنے سے رکے ہوئے ہیں جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَاِذَا قِیْلَ لَهُ اتَّقِ اللّٰهَ اَخَذَتْهُ الْعِزَّةُ بِالْاِثْمِ (البقرۃ: 206) عربوں کے ہاں عزت سے مراد غلبہ اور قہر ہے یہ جملہ بولا جاتا ہے: عَزَّ یَعِزُّ۔ یعنی غالب ہوا اور مال سلب کر لیا اسی معنی میں وَعَزَّنِیْ فِی الْخِطَابِ ۝ ہے یعنی وہ مجھ پر غالب آ گیا جریر نے کہا۔

یعُزُّ عَلَی الطریق بِمَنْكِبیه

وہ اونٹ اپنے دونوں کندھوں کے ساتھ راستے پر غالب آ جاتا ہے۔

شِقَاقٍ یعنی اختلاف اور جدائی کو ظاہر کرنے والے ہیں۔ یہ شق سے ماخوذ ہے گویا یہ ایک حصہ میں ہیں اور وہ دوسرے حصہ میں ہیں اور سورۂ بقرۃ میں اس کے بارے میں گفتگو مفصل گذر چکی ہے۔

قَرْنٍ سے مراد قوم ہے جو ان سے زیادہ طاقتور تھے کم کثرت کا معنی دے رہا ہے۔ انہوں نے مدد چاہتے ہوئے اور توبہ

کرتے ہوئے ندا کی۔ ندا کا اصل معنی آواز کا بلند کرنا ہے اس معنی میں حدیث ہے أَلْقِهِ على بلالٍ فإنّه أندى منك صوتا بلال پر یہ کلمات پیش کرو کیونکہ اس کی آواز تجھ سے بلند ہے☆۔

وَّلَاتَ حِيْنَ مَنَاصٍ حضرت حسن بصری نے کہا: انہوں نے توبہ کے ساتھ آواز کو بلند کیا جبکہ یہ توبہ کا وقت نہ تھا اور نہ ہی یہ وہ وقت تھا جب عمل نفع دے۔ نحاس نے کہا: یہ حضرت حسن بصری کی جانب سے وَّلَاتَ حِيْنَ مَنَاصٍ کی تفسیر ہے جہاں تک اسرائیل کا تعلق ہے اس نے ابو اسحاق سے وہ تمیمی سے وہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کرتے ہیں کہ وَّلَاتَ حِيْنَ مَنَاصٍ کا معنی ہے یہ کوئی بھاگنے کا وقت نہیں۔ کہا: تمام قوم روک دی گئی۔ کلبی نے کہا: جب وہ جنگ کرتے اور بے بس ہو جاتے تو وہ ایک دوسرے کو کہتے مَنَاصٍ یعنی تم پر بھاگ جانا لازم ہے جب ان پر عذاب آیا تو انہوں نے کہا: بھاگ جاؤ تو اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: وَّلَاتَ حِيْنَ مَنَاصٍ۔ قشیری نے کہا: اس تعبیر کی بنا پر تقدیر کلام یہ ہوگی فنادوا مناص کیونکہ باقی کلام فنادوا پر دلالت کرتی تھی اسی لیے اسے حذف کر دیا گیا یعنی جو تم آوازیں لگا رہے ہو یہ اس کا وقت نہیں۔ اس میں ایک قسم کا استہزاء ہے کیونکہ یہ کہنا بعید از قیاس ہے کہ سابقہ قوموں میں سے جو بھی ہلاک ہوا وہ اضطرار کے وقت یہ کہتا ہو۔ مناص ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ وَّلَاتَ حِيْنَ مَنَاصٍ کا معنی یہ ہو یعنی کوئی چھٹکارے کی صورت نہیں اس کو نصب اس لیے دی گئی ہے کیونکہ اس پر لا واقع ہے۔

قشیری نے کہا: اس میں اعتراض کی گنجائش موجود ہے کیونکہ اس صورت میں وَّلَاتَ حِيْنَ مَنَاصٍ میں واؤ کا کوئی معنی نہیں رہتا۔ جرجانی نے کہا: معنی ہے انہوں نے اس گھڑی کی ندا کی جس ساعت کوئی نجات نہیں جب لا کو مقدم کیا اور حین کو موخر کیا تو اس نے واؤ کا تقاضا کیا جس طرح حال تقاضا کرتا ہے جب اسے مبتدا اور خبر بنا دیا جائے جس طرح تیرا یہ قول ہے: جاء زید راکبا۔ جب تو اسے مبتدا اور خبر بنا دے گا تو یہ واؤ کا تقاضا کرے گا جس طرح جاءنی زید وھو راکب ہے حِيْنَ یہ فَنَادَوْا کی ظرف ہے مناص یہ پیچھے ہٹنے، بھاگ جانے اور چھٹکارا پانے کے معنی میں ہے یعنی انہوں نے اس وقت نجات پانے کے لیے ندا کی جس وقت میں ان کے لیے چھٹکارا پانے کی کوئی صورت نہ تھی۔ فراء نے کہا:

أمِنْ ذكرِ ليلى إذ نأتكَ تَنُوصُ (1)

کیا لیلیٰ کو یاد کر کے جب وہ تجھ سے دور ہوگئی تو اس کی طرف آگے بڑھتا ہے کہا جاتا ہے: ناص عن قرنه يَنُوصُ نَوصاً ومَناصاً یعنی بھاگ کھڑا ہوا۔ نحاس نے کہا: کہا جاتا ہے ناص ینوص جب وہ آگے بڑھے۔

میں کہتا ہوں: اس تاویل کی بنا پر یہ اضداد میں سے ہے۔ نوص سے مراد وحشی گدھے ہیں استناص یعنی پیچھے ہٹ گیا۔ نحویوں نے وَّلَاتَ حِيْنَ مَنَاصٍ اور اس پر وقف کرنے کے بارے میں گفتگو کی ہے۔ ابو عبیدہ قاسم بن سلام نے کتاب القرأت میں اس کے بارے میں بہت زیادہ گفتگو کی ہے۔ سوائے چند باتوں کے جو کچھ اس نے ذکر کیا ہے وہ سب مردود ہے۔ سیبویہ نے کہا: لات یہ مشابہ بلیس ہے اس میں اسم ضمیر ہے تقدیر کلام یوں ہے لیست أحیاننا حین مناص۔

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 77

☆ سنن ابی داؤد، باب کیف الاذان، حدیث نمبر 421، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

حکایت بیان کی گئی ہے کہ عربوں میں سے کچھ ایسے بھی ہیں جو اس کے ساتھ اسم کو رفع دیتے ہیں اور کہتے ہیں وَّلَاتَ حِيْنُ مَنَاصٍ۔ یہ حکایت بیان کی گئی ہے کہ رفع قلیل ہے اور خبر محذوف ہے جس طرح کہ نصب اسم میں محذوف تھا یعنی تقدیر کلام یوں تھی ولات حین مناص لنا۔ سیبویہ اور فراء کے نزدیک ولات کی تاء پر عطف ہوگا پھر حین مناص سے تو نئی کلام شروع کرے گا؛ یہ ابن کیسان اور زجاج کا قول ہے۔ ابوالحسن بن کیسان نے کہا: قول اسی طرح ہے جس طرح سیبویہ نے کہا کیونکہ اس نے اسے لیس کے مشابہ قرار دیا تو جس طرح لیست کہا جاتا ہے اسی طرح لات کہا جاتا ہے۔ کسائی کے نزدیک اس پر وقف ھاء پر ہوگا یعنی ولاہ یہی مبرد بن محمد بن یزید کا قول ہے علی بن سلیمان نے اس سے حکایت بیان کی کہ اس میں دلیل یہ ہے کہ اس پر ھاء کلمہ کی تانیث کے لیے داخل ہوئی ہے جس طرح ثمہ اور ربہ کہا جاتا ہے۔ قشیری نے کہا: بعض اوقات ثمت، ثمہ کے معنی میں کہا جاتا ہے اور ربت، ربہ کے معنی میں کہا جاتا ہے گویا انہوں نے لا میں ھاء کا اضافہ کردیا اور انہوں نے لاہ کہا انہوں نے ثم میں ثمہ کہا ہے جب وصل ہوا تو یہ تاء ہوگئی۔

ثعلبی نے کہا: اہل لغت نے کہا وَّلَاتَ حِيْنَ دونوں مفتوح ہیں گویا یہ دونوں ایک کلمہ ہیں بے شک یہ اصل میں لا ہے جس میں تاء کا اضافہ کردیا گیا ہے جس طرح رب اور ربت، ثم اور ثمت ابوزبید طائی نے کہا:

طَلَبُوا صُلْحَنا ولَاتَ أَوَانٍ فأَجَبْنَا أَنْ لیس حینَ بقاءِ

انہوں نے ہماری صلح کا مطالبہ کیا جبکہ وہ اس کا وقت نہ تھا ہم نے جواب دیا کہ یہ بقاء کا وقت نہیں۔

ایک اور شاعر نے کہا:

تذکَّر حُبَّ لیلی لَاتَ حِینًا وأمسی الشَّیبُ قد قَطَعَ القَرِینا

اس نے لیلی کی محبت کو یاد کیا جبکہ وہ اس کا وقت نہ تھا بڑھاپے نے دوستی کو قطع کردیا۔

کچھ عرب اس لفظ کے ساتھ مابعد اسم کو جر دیتے ہیں؛ فراء نے یہ شعر پڑھا:

فَلَتَعْرِفَنَّ خَلَائِقًا مَشْمُولَةً وَلَتَنْدَمَنَّ وَلَاتَ سَاعَةِ مَنْدَمِ

تو جمع شدہ مخلوقات کو پہچان لے گا اور تو شرمندہ ہوگا جبکہ وہ شرمندگی کا وقت نہیں۔

کسائی، فراء، خلیل، سیبویہ اور اخفش اس طرف گئے ہیں وَّلَاتَ حِيْنَ میں تاء، حین سے منقطع ہے وہ کہتے ہیں: اس کا معنی لیست ہے۔ مصاحف جدد اور عتق میں اسی طرح ہے یعنی حین سے تاء کو الگ کردیا گیا ہے، ابوعبیدہ معمر بن مثنی اسی طرف گیا کہا ہے۔

ابوعبید قاسم بن سلام نے کہا: میرے نزدیک ولا پر وقف ہے اور ابتدا تحین مناص سے ہے اس صورت میں تاء حین کے ساتھ ہوگی۔ بعض نے کہا: لات پھر وہ کلام کا آغاز کرتا ہے اور کہتا ہے: حین مناص مہدوی نے کہا: ابوعبید نے ذکر کیا ہے کہ مصحف میں تاء حین کے ساتھ متصل ہے جبکہ نحویوں کے نزدیک یہ غلط ہے اور مفسرین کے قول کے خلاف ہے، ابوعبید کی حجت یہ ہے کہ اس نے کہا: ہم عربوں کو نہیں پاتے کہ وہ اس تاء کو زائد کرتے ہوں مگر وہ حین، اوان اور الان میں زائد کرتے

ہیں؛ اور ابو وجزہ سعدی کا شعر ذکر کیا:

العاطفُون تَحِينَ ما مِنْ عاطِفٍ والمُطْعِمُون زَمانَ أَيْنَ المُطْعِمُ

وہ اس وقت مہربانی کرتے ہیں جب مہربانی کرنے والا کوئی نہیں ہوتا وہ زمانے کو کھلاتے ہیں جب کھلانے والا کوئی نہیں ہوتا۔ ابوزبید طائی نے شعر ذکر کیا:

طلبوا صلحنا ولاتأوانٍ فأجبنا أن ليس حين بقاءِ(1)

انہوں نے ہماری صلح کو طلب کیا جبکہ وہ صلح کا وقت نہ تھا تو ہم نے جواب دیا اب بقاء کا وقت نہیں۔

یہاں اوان میں تاء کو داخل کیا۔ ابو عبید نے کہا: الان میں تاء کو داخل کرنے کے بارے میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے ان سے ایک آدمی نے حضرت عثمان بن عفان کے بارے میں پوچھا تھا تو حضرت ابن عمر نے حضرت عثمان کے مناقب کا ذکر کیا پھر فرمایا: اذهب بها تَلَان مَعك۔ اسے لے جا اب وہ تیرے ساتھ ہیں۔ اس قول میں تلان محل استدلال ہے۔ اسی طرح شاعر نے کہا:

نَوِّلِي قبل نأيِ دارِي جُمانا و صِلِينا كما زَعَمْتِ تَلَانَا

ابو عبید نے کہا: اس سب بحث کے باوجود میں نے اس مصحف میں نظر کی جسے امام ''مصحف عثمان'' کہا جاتا ہے تو میں نے پایا کہ تاء حین کے ساتھ متصل ہے وہاں تحین لکھا ہوا ہے۔ ابو جعفر نحاس نے کہا: جہاں تک پہلے شعر کا تعلق ہے جو اس نے ابو وجزہ کا ذکر کیا ہے علماء لغت نے اسے چار طریقوں سے روایت کیا ہے سب اس کے برعکس ہیں جو اس نے کہا اس میں دو تقدیریں ہیں ابو العباس محمد بن یزید نے اسے روایت کیا ہے العاطفون ولات مامن عاطف۔ دوسری روایت العاطفون ولات حين تعاطف۔ تیسری روایت جسے ابن کیسان نے روایت کیا ہے العاطفونة حين مامن عاطف۔ اس نے اسے وقف میں ھاء اور درمیان کلام میں تاء بنا دیا ہے اور یہ گمان کیا ہے کہ یہ حرکت کے بیان کے لیے ہے اور اسے ہاء تانیث کے مشابہ قرار دیا ہے۔ چوتھی روایت العاطفونه حين مامن عاطف۔ اس روایت میں دو تقدیریں ہیں ان میں سے ایک یہ ہے اور وہی اسماعیل بن اسحاق کا مذہب ہے کہ ھاء نصب کے محل میں ہے جس طرح تم کہتے ہو الضاربون زيدا جب تو ضمیر ذکر کرے گا تو تو کہے گا الضاربوه سیبویہ نے شعر میں الضاربونه جائز قرار دیا ہے۔ اسماعیل، سیبویہ کے مذہب کے موافق تانیث کے ساتھ لایا ہے جس طرح اس نے اس کی مثل میں اجازت دی ہے۔

دوسری تقدیر یہ ہے کہ العاطفونه میں ھاء حرکت کو بیان کرنے کے لیے ہے جس طرح تو کہتا ہے: مررنا المسلمونه یہ وقف کی صورت میں ہے پھر وصل میں بھی اسے اسی طرح رکھا گیا ہے جس طرح وقف میں رکھا گیا تھا جس طرح اہل مدینہ نے پڑھا: مَاۤ اَغْنٰى عَنِّيْ مَالِيَهْ ۚ هَلَكَ عَنِّيْ سُلْطٰنِيَهْ (الحاقة)

جہاں تک دوسرے شعر کا تعلق ہے اس میں اس پر کوئی دلیل نہیں کیونکہ ولات أوان پر وقف ہے مگر اس میں ایک مشکل ہی

1۔ تفسیر الکشاف، جلد 4، صفحہ 71

ہے کیونکہ اس میں ولات أوان مجرور مروی ہے، جبکہ لات کے بعد جو چیز واقع ہے وہ مرفوع یا منصوب ہے اگرچہ عیسیٰ بن عمر سے مروی ہے کہ انہوں نے ولات حین مناص پڑھا ہے یعنی لات کی تاء اور حین کی نون پر کسرہ پڑھا ہے جبکہ ان سے یہ ثابت ہے کہ انہوں نے ولات حین مناص پڑھا ہے لات کو مبنی بر کسرہ اور حین کو نصب دی گئی جہاں تک ولات اوان کا تعلق ہے اس میں دو تقدیریں ہیں۔

اخفش نے کہا: اس میں لفظ مضمر ہے یعنی کلام یوں تھی ولات حین اوان۔ نحاس نے کہا: اس قول میں واضح خطا موجود ہے ابو اسحاق سے دوسری تقدیر مروی ہے ولات اوانا مضاف الیہ کو حذف کر دیا گیا تو ضروری ہو گیا کہ اس کو اعراب نہ دیا جائے اور اس پر کسرہ اجتماع ساکنین کی وجہ سے ہے۔ محمد بن یزید نے ولات اوان رفع کے ساتھ پڑھا ہے۔ جہاں تک تیسرے شعر کا تعلق ہے یہ دور اسلام کے شاعر کا شعر ہے جس کے قائل کا کوئی پتہ نہیں اس کے ساتھ دلیل قائم کرنا صحیح نہیں کہ محمد بن یزید نے اسے روایت کیا ہے کما زعمت انت الان اور دوسرے علماء نے کہا: معنی ہے کما زعمت انت الان اس نے انت سے ہمزہ اور نون کو حذف کر دیا ہے۔

جہاں تک ان کا حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث سے استدلال ہے جب آپ نے اس آدمی کے لیے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے مناقب کا ذکر کیا تو اسے کہا اذهب بها تلان الی اصحابك تو اس میں کوئی دلیل نہیں کیونکہ محدث اس حدیث کو بالمعنی روایت کر رہا ہے۔

اس پر دلیل یہ ہے کہ مجاہد حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے اس حدیث کو روایت کرتا ہے اور اس میں ہے اذهب فاجهد جهدك ایک اور نے اسے روایت کیا ہے اذهب بها الان معك جہاں تک ان کا یہ کہنا ہے کہ انہوں نے امام میں تحین پایا ہے تو اس میں بھی ان کی کوئی دلیل نہیں کیونکہ امام کا معنی ہے کہ وہ مصاحف کا امام ہے اگر وہ مصاحف کے خلاف ہوگا تو وہ مصاحف کا امام تو نہ ہوا تمام مصاحف میں ولات ہے اگر اس میں صرف یہی استدلال ہوتا تو وہ کافی ہوتا مناص کی جمع منادص ہے۔

وَعَجِبُوٓا اَنْ جَآءَهُمْ مُّنْذِرٌ مِّنْهُمْ ۫ وَقَالَ الْكٰفِرُوْنَ هٰذَا سٰحِرٌ كَذَّابٌ ۝ اَجَعَلَ الْاٰلِهَةَ اِلٰهًا وَّاحِدًا ۚ اِنَّ هٰذَا لَشَیْءٌ عُجَابٌ ۝

"اور وہ اس پر حیران تھے کہ آیا ہے ان کے پاس ایک ڈرانے والا ان میں سے اور کفار کہنے لگے کہ یہ شخص ساحر ہے کذاب ہے، کیا بنا دیا ہے اس نے بہت سے خداؤں کی جگہ ایک خدا، بے شک یہ بڑی عجیب وغریب بات ہے"۔

اَنْ جَآءَهُمْ میں اَنْ محل نصب میں ہے اس کا معنی ہے من ان جاء هم۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کا تعلق فِیْ عِزَّةٍ وَّ شِقَاقٍ کے ساتھ ہے تقدیر کلام یہ بنے گی فی عزة وشقاق وعجبوا اور کم اهلکنا جملہ معترضہ ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: نہیں بلکہ یہاں سے کلام کا آغاز ہے یعنی ان کی جہالت میں سے یہ بات ہے کہ انہوں نے اس بات پر تعجب کا اظہار کیا کہ ان کے پاس انہیں میں سے ایک ڈرانے والا آیا۔

کافروں نے کہا: یہ جادوگر ہے یہ آراستہ کلام لاتا ہے جس کے ساتھ لوگوں کو دھوکہ دیتا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ اپنے جادو کے ذریعے والد اور اس کے بچے، خاوند اور اس کی بیوی کے درمیان جدائی پیدا کرتا ہے کَذَّابٌ یعنی دعویٰ نبوت میں جھوٹا ہے۔

اَجَعَلَ الْاٰلِهَةَ اِلٰهًا وَّاحِدًا یہ دونوں مفعول ہیں یعنی اس نے بہت سے معبودوں کو ایک معبود بنا دیا ہے بے شک یہ تو عجیب و غریب چیز ہے سلمی نے عُجَّاب پڑھا ہے عُجَاب، عُجَّاب اور عجب سب کا معنی ایک ہی ہے۔ خلیل نے عجیب اور عجاب میں فرق کیا ہے کہا عجیب، عجب ہی ہے عجاب عجب کی حد کو تجاوز کرتا ہے۔ طویل جس میں طول ہو طوال اسے کہتے ہیں جس نے طول کی حد کو تجاوز کیا ہو۔

جوہری نے کہا: عجیب اس امر کو کہتے ہیں جس سے تعجب کا اظہار کیا جائے اسی طرح عجاب ضمہ کے ساتھ ہے عجاب جب شد کے ساتھ ہو تو وہ اس سے بڑھ کر ہے اسی طرح أعجوبہ ہے۔ مقاتل نے کہا: عجاب یہ ازدشنوء کی لغت ہے۔ سعید بن جبیر نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کی ہے کہ ابو طالب مریض ہوئے (1) تو قریش ان کے پاس آئے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی تشریف لائے جبکہ ابو طالب کے سر کی طرف ایک آدمی کے بیٹھنے کی جگہ تھی ابو جہل اپنی جگہ سے اٹھا تا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس جگہ سے روکے قریش نے ابو طالب کے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شکایت کی، ابو طالب نے کہا: اے بھتیجے! تو اپنی قوم سے کیا چاہتا ہے؟ فرمایا: ”اے میرے چچا جان! میں ان سے ایک کلمہ کہنے کی خواہش کرتا ہوں جس کے باعث تمام عرب ان کی اطاعت کریں گے اور انہیں جزیہ دیں گے“۔ پوچھا وہ کیا ہے؟ فرمایا: لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ قریش نے کہا: کیا اس نے تمام معبودوں کو ایک معبود بنا دیا تو ان کے بارے میں قرآن نازل ہوا صٓ وَ الْقُرْاٰنِ ذِی الذِّكْرِ ۝ بَلِ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا فِیْ عِزَّةٍ وَّ شِقَاقٍ ۝ كَمْ اَهْلَكْنَا مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنْ قَرْنٍ فَنَادَوْا وَّ لَاتَ حِیْنَ مَنَاصٍ ۝ وَ عَجِبُوْۤا اَنْ جَآءَهُمْ مُّنْذِرٌ مِّنْهُمْ٘ وَ قَالَ الْكٰفِرُوْنَ هٰذَا سٰحِرٌ كَذَّابٌ ۝ اَجَعَلَ الْاٰلِهَةَ اِلٰهًا وَّاحِدًا ۖۚ اِنَّ هٰذَا لَشَیْءٌ عُجَابٌ ۝ وَ انْطَلَقَ الْمَلَاُ مِنْهُمْ اَنِ امْشُوْا وَ اصْبِرُوْا عَلٰۤی اٰلِهَتِكُمْ ۖۚ اِنَّ هٰذَا لَشَیْءٌ یُّرَادُ ۝ مَا سَمِعْنَا بِهٰذَا فِی الْمِلَّةِ الْاٰخِرَةِ ۖۚ اِنْ هٰذَاۤ اِلَّا اخْتِلَاقٌ ۝ امام ترمذی نے بالمعنی روایت کیا ہے کہا: یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ جب حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ اسلام لے آئے تو قریش پر ان کا اسلام بڑا شاق گذرا تو قریش ابو طالب کی خدمت میں جمع ہوئے کہا: ہمارے اور اپنے بھتیجے کے درمیان فیصلہ کر دیجئے۔ ابو طالب نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بلا بھیجا اور کہا: اے بھتیجے! یہ تیری قوم مجھ سے انصاف کا تقاضا کرتی ہے اپنی قوم پر ظلم نہ کر۔“ پوچھا وہ مجھ سے کیا چاہتے ہیں“ انہوں نے کہا: ہمیں ہمارے حال پر چھوڑ دو اور ہمارے معبودوں کا ذکر چھوڑ دو ہم تجھے اور تیرے معبود کو چھوڑتے ہیں تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”کیا تم مجھے ایک کلمہ دیتے ہو جس کے باعث تم عربوں کے مالک بن جاؤ گے اور عجمی تمہاری اطاعت کریں گے“ ابو جہل نے کہا: تیرا بھلا ہو ہم تجھے وہ کلمہ اور دس اس جیسے اور کلمات دینے کو تیار ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے

1۔ جامع ترمذی، کتاب التفسیر، سورۂ ص، جلد 2، صفحہ 155۔ ایضاً حدیث نمبر 3156، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

ارشاد فرمایا کہو: لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وہ اس سے بدک گئے اور اٹھ کھڑے ہوئے اور انہوں نے کہا: کیا اس نے تمام خداؤں کو ایک خدا بنا دیا ہے اس تمام مخلوق کو ایک خدا کیسے پورا ہو سکتا ہے؟ تو اللہ تعالیٰ نے ان کے متعلق كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوْحٍ تک آیات کو نازل فرمایا۔

وَانْطَلَقَ الْمَلَاُ مِنْهُمْ اَنِ امْشُوْا وَاصْبِرُوْا عَلٰۤى اٰلِهَتِكُمْ ۚ اِنَّ هٰذَا لَشَیْءٌ یُّرَادُ ۶ مَا
سَمِعْنَا بِهٰذَا فِی الْمِلَّةِ الْاٰخِرَةِ ۚ اِنْ هٰذَاۤ اِلَّا اخْتِلَاقٌ ۷ ءَاُنْزِلَ عَلَیْهِ الذِّكْرُ مِنْۢ
بَیْنِنَا ؕ بَلْ هُمْ فِیْ شَكٍّ مِّنْ ذِكْرِیْ ۚ بَلْ لَّمَّا یَذُوْقُوْا عَذَابِ ۸ اَمْ عِنْدَهُمْ
خَزَآىِٕنُ رَحْمَةِ رَبِّكَ الْعَزِیْزِ الْوَهَّابِ ۹ اَمْ لَهُمْ مُّلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا
بَیْنَهُمَا ۫ فَلْیَرْتَقُوْا فِی الْاَسْبَابِ ۱۰ جُنْدٌ مَّا هُنَالِكَ مَهْزُوْمٌ مِّنَ الْاَحْزَابِ ۱۱

''اور تیزی سے چل دیے قوم کے سردار رسول کے پاس سے (اور قوم سے کہا) یہاں سے نکلو اور جمے رہو اپنے بتوں پر بے شک اس میں اس کا کوئی (ذاتی) مدعا ہے۔ ہم نے تو ایسی بات آخری ملت (نصرانیت) میں بھی نہیں سنی یہ بالکل من گھڑت مذہب ہے۔ کیا نازل کیا گیا ہے اس پر الذکر (قرآن) ہمارے درمیان میں سے، بلکہ یہ کفار شک میں مبتلا ہیں میرے ذکر کے متعلق بلکہ انہوں نے ابھی نہیں چکھا میرے عذاب کا مزا۔ کیا ان کے قبضہ میں ہیں خزانے آپ کے رب کی رحمت کے جو عزت والا ہے بے حساب عطا کرنے والا ہے۔ کیا ان کے لیے ہے سلطنت آسمانوں اور زمین کی اور جو کچھ ان کے درمیان ہے، پس چاہیے کہ چڑھ جائیں (آسمانوں پر) اس کی راہوں سے۔ (درحقیقت) کفار کے لشکروں میں سے یہ ایک چھوٹا سا لشکر ہے جسے وہاں بدر میں شکست دی جائے گی''۔

الْمَلَاُ کا معنی اشراف ہیں **انْطَلَقَ** کا معنی تیزی سے جانا ہے یعنی یہ کفار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے نکلے وہ ایک دوسرے کو کہہ رہے تھے: جس طریقہ پر تم پہلے ہو اسی پر گامزن رہو اور اس کے دین میں داخل نہ ہو۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ ابو طالب بن ہشام، شیبہ اور عتبہ جو ربیعہ بن عبد شمس کے بیٹے تھے امیہ بن خلف، عاص بن وائل اور ابو معیط تھے وہ ابو طالب کے پاس آئے تھے انہوں نے کہا: تو ہمارا سردار ہے اور ہمارے بارے میں بہتر انصاف کرنے والا ہے اپنے بھتیجے اور اس کے ساتھ جو بے وقوف لوگ ہیں ان کے ساتھ ہمارے بارے میں معاملات اپنے ہاتھ میں لیں انہوں نے ہمارے معبودوں کو چھوڑ دیا اور ہمارے دین میں طعن کیا۔ ابو طالب نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بلا بھیجا اور کہا: تیری قوم تجھے انصاف کی طرف دعوت دیتی ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''میں انہیں ایک بات کی دعوت دیتا ہوں''۔ ابو جہل نے کہا: ایک کیا دس۔ فرمایا: تم کہو لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وہ اٹھ کھڑے ہوئے اور کہا: کیا اس نے تمام معبودوں کو ایک معبود بنا دیا ہے۔

اَنِ امْشُوْا میں ان محل نصب میں ہے معنی بان امشوا یعنی باء حرف جار محذوف ہے اور اس کے حذف کی وجہ سے محل

نصب میں ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: أن، ای کے معنی میں ہے یعنی امشوا، انطلق کی تفسیر ہے اس کا مطلب ہے یہ نہیں کہ انہوں نے یہ لفظ بولا۔ ایک قول یہ کیا گیا: ان میں سے معززین چلے اور انہوں نے عوام سے کہا: امْشُوْا وَاصْبِرُوْا عَلٰۤی اٰلِهَتِكُمْ یعنی اپنے بتوں کی عبادت پر صبر کرو اِنَّ هٰذَا یعنی جو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم لائے ہیں جس کے ساتھ اہل زمین کے بارے میں اس چیز کا ارادہ کیا گیا ہے کہ قوم سے نعمتوں کا زوال ہو اور جو ان پر نازل ہوا ہے ان کو تبدیل کرنے کا ارادہ کیا گیا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ اِنَّ هٰذَا لَشَیْءٌ یُّرَادُ ۝ کلمہ تحذیر ہے یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم جو کہتے ہیں اس کے ساتھ وہ ہم سے اطاعت کے طالب ہیں تا کہ وہ ہم پر غالب آ جائیں اور ہم اس کے پیروکار بن جائیں تو اس طریقہ سے جو وہ چاہے اس پر حکم چلائے تو اس کی اطاعت کرنے سے بچو۔ مقاتل نے کہا: حضرت عمر رضی اللہ عنہ جب مسلمان ہوئے اور ان کے ذریعے سے اسلام کو قوت و شوکت نصیب ہوئی تو یہ امر قریش پر شاق گذرا تو انہوں نے کہا کہ حضرت عمر کے اسلام لانے سے اسلام کو ایسی قوت حاصل ہوئی ہے جس کا ارادہ کیا جا رہا تھا (1)۔

حضرت ابن عباس، قرظی، مقاتل، کلبی، اور سدی نے کہا: وہ ملة آخرة سے مراد حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ملت مراد لیتے ہیں یہ ملتوں میں سے آخری ملت ہے، نصاریٰ بھی اللہ تعالیٰ کے ساتھ الٰہ بناتے ہیں۔ مجاہد اور قتادہ نے یہ بھی کہا: وہ قریش کی ملت مراد لیتے تھے (2)۔ حضرت حسن بصری نے کہا: ہم نے یہ نہیں سنا تھا کہ یہ آخری زمانہ ہوگا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ ہم نے اہل کتاب سے یہ نہیں سنا تھا کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم رسول حق ہیں۔

یہ تو سراسر جھوٹ ہے۔ حضرت ابن عباس اور دوسرے علماء سے مروی ہے کہ یہ جملہ کہا جاتا ہے: خلق واختلق یعنی اس نے نیا کام شروع کیا خلق اللہ الخلق اسی معنی میں ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے انہیں بغیر مثال کے پیدا کیا۔

ءَاُنْزِلَ عَلَیْهِ الذِّكْرُ مِنْۢ بَیْنِنَا یہ کلام استفہام انکاری ہے، ذکر سے یہاں مراد قرآن ہے یعنی انہوں نے آپ کو وحی کے ساتھ خاص کرنے کا انکار کیا مِّنْ ذِكْرِیْ سے مراد میری وحی ہے وہ قرآن ہے یعنی وہ خوب جانتے ہیں کہ آپ ہمیشہ سے ان کے درمیان سچے رہے ہیں میں نے جو آپ پر نازل کیا ہے اس کے بارے میں انہوں نے شک کیا کہا: وہ میری جانب سے ہے یا میری جانب سے نہیں۔

اصل میں لمبی مہلت کی وجہ سے دھوکہ میں مبتلا ہوئے ہیں اگر شرک کی بنا پر میرا عذاب چکھ لیتے تو ان سے شک زائل ہو جاتا اور وہ یہ بات نہ کرتے لیکن اس وقت انہیں ایمان کوئی نفع نہ دے گا لما یہ لم کے معنی میں ہے اور ما زائدہ ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: عَمَّا قَلِیْلٍ (المومنون: 40) اور فَبِمَا نَقْضِهِمْ (المائدہ: 13)

کیا ان کے پاس تیرے رب کی رحمت کے خزانے ہیں تو وہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے ان نعمتوں خصوصاً نبوت کو روک لیں گے جو اللہ تعالیٰ نے ان پر کی ہے۔ ام کا لفظ کبھی تقریع کے معنی میں آتا ہے جب کلام ماقبل کے ساتھ متصل ہو۔ جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: الٓمّٓ ۝ تَنْزِیْلُ الْكِتٰبِ لَا رَیْبَ فِیْهِ مِنْ رَّبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۝ اَمْ یَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ (السجدہ)

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 79 2۔ ایضاً

ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ اَمْ عِنْدَهُمْ خَزَآىِٕنُ رَحْمَةِ رَبِّكَ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کے ساتھ متصل ہے وَعَجِبُوْٓا اَنْ جَآءَهُمْ مُّنْذِرٌ مِّنْهُمْ معنی اس کا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے رسول بنا کر مبعوث کرتا ہے کیونکہ آسمانوں اور زمین کے خزانے اسی کے ہیں یا زمین وآسمان کے خزانے ان کی ملکیت ہیں اگر وہ اس کا دعوی کرتے ہیں پس انہیں چاہیے آسمانوں کی طرف چڑھیں اور فرشتوں کو اس بات سے روک دیں کہ وہ حضرت محمد ﷺ پر وحی لے کر آئیں۔ یہ کہا جاتا ہے: رقی یرقی اور ارتقی یعنی وہ بلند ہو گئے رقی، یرقی اور رقیا یہ رمی یرمی اور رمیا کی طرح ہے یہ رقیۃ سے مشتق ہے ربیع بن انس نے کہا: اسباب بال سے باریک اور لوہے سے مضبوط ہیں لیکن وہ دکھائی نہیں دیتے۔ لغت میں سبب ہر اس چیز کو کہتے ہیں جو مطلوب تک پہنچانے والی ہو وہ رسی ہو یا کوئی اور چیز۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اسباب سے مراد آسمان کے ابواب یا اسباب ہیں جن سے فرشتے اترتے ہیں؛ یہ مجاہد اور قتادہ کا قول ہے۔ زہیر نے کہا:

لَوْرَامَ أسبابَ السماءِ بِسُلَّمِ

کاش وہ سیڑھی کے ذریعے آسمان اسباب کا قصد کرتا۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: اسباب سے مراد آسمان ہیں یعنی انہیں چاہیے کہ وہ ایک ایک آسمان پر چڑھیں۔ سدی نے کہا: فی اسباب سے مراد فضل اور دین ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اسباب سے مراد رسیاں ہیں(1) یعنی اگر وہ رسیاں اور سبب پائیں جن میں وہ آسمان کی طرف بلند ہوں تو وہ چڑھیں۔ یہ امر توبیخ اور تعجیز کے لیے ہے، پھر اللہ تعالیٰ نے دشمنوں کے خلاف اپنے نبی کی مدد کا وعدہ کیا جُنْدٌ مَّا هُنَالِكَ یہاں ما زائدہ ہے تقدیر کلام یہ ہوگی ھم جند پس جند مبتدا محذوف کی خبر ہے مھزوم یعنی ذلیل اور رسوا ہونگے ان کی دلیل ختم ہو جائے گی کیونکہ وہ اس مرحلہ تک نہیں پہنچیں گے کہ وہ یہ کہیں یہ ہمارے لیے ہے یہ جملہ بولا جاتا ہے: تھزمت القربۃ جب وہ مشکیزہ ٹوٹ جائے، ھزمت الجیش میں نے لشکر کو شکست دے دی کلام ماقبل کے ساتھ مربوط ہے یعنی وہ شکست خوردہ لشکر ہیں تو ان کا تکبر اور قبول حق سے رکنا تجھے غم میں نہ ڈالے بے شک میں ان کی جمعیتوں کو شکست دے دوں گا وران کی عزت کو سلب کر دوں گا یہ نبی کریم ﷺ کو انس عطا کرنا ہے بدر کے روز آپ کے ساتھ ایسا کیا بھی گیا۔ قتادہ نے کہا: اللہ تعالیٰ نے ان سے وعدہ کیا کہ اللہ تعالیٰ انہیں شکست دے گا جبکہ وہ مکہ مکرمہ میں تھے تو اس کی تاویل بدر کے روز سامنے آئی هُنَالِكَ میں بدر کی طرف اشارہ ہے یہ وہ جگہ تھی جہاں وہ حضرت محمد ﷺ کے ساتھ جنگ کرنے کیلئے اکٹھے ہوئے تھے۔ ایک قول یہ کیا گیا: احزاب سے مراد وہ گروہ ہیں جو مدینہ طیبہ آئے اور نبی کریم ﷺ سے برسر پیکار ہوئے۔ یہ بحث سورۂ احزاب میں گزر چکی ہے۔ احزاب کا معنی لشکر ہے جس طرح کہا جاتا ہے: جند من قبائل شتی۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ احزاب سے مراد کفار کی گذشتہ قومیں ہیں یعنی یہ لشکر ان کے طریقہ پر ہیں جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: فَمَنْ شَرِبَ مِنْهُ فَلَيْسَ مِنِّيْ ۚ وَمَنْ لَّمْ يَطْعَمْهُ فَاِنَّهٗ مِنِّيْٓ (البقرۃ:249) من سے مراد ہے وہ میرے دین اور مذہب پر ہے۔ فراء نے کہا: وہ مغلوب لشکر ہیں یعنی انہیں اس چیز سے روک دیا گیا ہے کہ وہ آسمان کی طرف بلند ہوں۔ قتبی

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 79

نے کہا: یعنی وہ ان معبودوں کے شکست خوردہ لشکر ہیں وہ اس پر قادر نہیں کہ وہ اپنے معبودان باطلہ سے کسی چیز کا مطالبہ کریں اور نہ ہی اللہ تعالیٰ کی رحمت کے خزانوں سے اپنے لیے کسی چیز کا دعویٰ کر سکتے ہیں اور نہ ہی آسمانوں اور زمین سے کسی چیز کا دعویٰ کر سکتے ہیں۔

كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوحٍ وَّعَادٌ وَّفِرْعَوْنُ ذُو الْاَوْتَادِ ﴿۱۲﴾ وَثَمُوْدُ وَقَوْمُ لُوْطٍ وَّاَصْحٰبُ لْــَٔيْكَةِ ۭ اُولٰٓئِكَ الْاَحْزَابُ ﴿۱۳﴾ اِنْ كُلٌّ اِلَّا كَذَّبَ الرُّسُلَ فَحَقَّ عِقَابِ ﴿۱۴﴾

''جھٹلایا تھا ان سے پہلے قوم نوح، عاد اور میخوں والے فرعون نے اور ثمود، قوم لوط اور اصحاب ایکہ نے، یہی وہ گروہ ہیں (جن کا ذکر پہلے گذر چکا)۔ ان سب نے رسولوں کو جھٹلایا تو ان پر لازم ہو گیا میرا عذاب''۔

حضرت نوح علیہ السلام اور ان کی قوم کا ذکر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے تعزیت اور آپ کی تسلی کے لیے کیا یعنی اے محمد! صلی اللہ علیہ وسلم یہ تیری قوم کے لوگ ہیں متقدمہ قوموں کے لشکر ہیں جنہوں نے اپنے انبیاء کے خلاف لشکر کشی کی وہ لوگ ان سے زیادہ طاقتور تھے پس انہیں ہلاک کر دیا گیا۔ اللہ تعالیٰ نے قوم کو تانیث کے لفظ کے ساتھ ذکر کیا(1) علماء عرب نے اس بارے میں دو قول نقل کیے ہیں:

(1) اس میں تذکیر و تانیث جائز ہے (2) یہ مذکر ہے اس کی تانیث جائز نہیں مگر اس صورت میں کہ معنی عشیرہ اور قبیلہ پر واقع ہو تو لفظ میں اس معنی کا حکم غالب ہوگا جو معنی مضمر ہے مقصود اس پر تنبیہ کرنا ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: كَلَّآ اِنَّهَا تَذْكِرَةٌ ﴿۱۱﴾ فَمَنْ شَآءَ ذَكَرَهٗ ﴿۱۲﴾ (عبس) یہاں اسے ذکر نہیں کیا کیونکہ جب اس پر مضمر معنی مذکر تھا تو اسے مذکر ذکر کیا گیا اگرچہ لفظ تانیث کا تقاضا کرتا ہے۔

فرعون کی صفت ذُو الْاَوْتَادِ سے ذکر کی اس کی تاویل میں اختلاف کیا گیا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: معنی ہے مضبوط عمارتوں والا۔ ضحاک نے کہا: وہ بے شمار عمارتوں والا تھا اور عمارتوں کو اوتاد کہتے ہیں (2)۔ حضرت ابن عباس، قتادہ اور عطا سے یہ بھی مروی ہے کہ اس کے کیل، رسیاں اور کھیل کے میدان تھے جن پر اس کے لیے کھیلا جاتا تھا۔ ضحاک سے یہ بھی مروی ہے کہ قوت و پکڑ والا تھا۔ کلبی اور مقاتل نے کہا: وہ لوگوں کو کیلوں کے ذریعے عذاب دیا کرتا تھا جب وہ کسی پر ناراض ہوتا تو زمین پر چار کیل گاڑھ کے ان کے درمیان چت لٹا دیتا تھا اور اس پر بچھو اور سانپ چھوڑ دیتا یہاں تک کہ وہ مر جاتا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ عذاب دیے جانے والے شخص کو چار ستونوں پر تان دیتا اس انسان کی ایک جانب ایک ستون کی طرف ہوتی جس میں لوہے کا ایک کیل گڑھا ہوتا اور اسے چھوڑ دیتا یہاں تک کہ وہ مر جاتا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ذو الاوتاد سے مراد کثیر لشکروں والا ہے۔ جنود کو اوتاد کہا گیا ہے کیونکہ وہ اس امر کو قوی بناتا ہے جس طرح کیل گھر کو قوی بناتا ہے۔ ابن قتیبہ نے کہا: عرب کہتے ہیں: ھم فی عز ثابت الاوتاد وہ ارادہ کرتے ہیں ان کے لیے دائمی اور قوی عزت ہے۔ اس کی اصل یہ ہے کہ گھر بالوں کے خیمے ہوتے وہ میخوں کے ساتھ ہی مضبوط اور قوی ہوتے۔ اسود بن یعفر نے کہا:

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 80 2۔ ایضاً، جلد 5، صفحہ 81

وَلَقَدْ غَنَوْا فِيهَا بِأَنْعَمِ عِيشَةٍ　فِي ظِلِّ مُلْكٍ ثَابِتِ الْأَوْتَادِ(1)

وہ زندگی کی نعمتوں کے ساتھ اس میں مستغنی ہوئے ایسے ملک کے سایہ میں جو مضبوط ہے۔

اوتاد کی واحد وتد ہے یہ تاء کے کسرہ کے ساتھ ہے اور وَتَد بھی اس میں ایک لغت ہے۔ اصمعی نے کہا: یہ کہا جاتا ہے وَتَد واتد جس طرح یہ کہا جاتا ہے: شغل شاغل۔ کہا: بعض اوقات آدمی کو جذل سے تشبیہ دی جاتی ہے۔

اَصْحٰبُ لْـَٔيْكَةِ سے مراد اصحاب غیضہ ہیں اس کا ذکر سورۂ شعراء میں گذر چکا ہے۔ نافع، ابن کثیر اور ابن عامر نے اسے لیکہ ہمزہ کے بغیر پڑھا ہے باقی قراء نے ہمزہ اور تاء کے کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ اس کا ذکر بھی پہلے گذر چکا ہے۔

یہی لوگ قوت اور کثرت سے متصف تھے جس طرح تو کہتا ہے: فلان ھو الرجل، اِنْ كُلٌّ یہاں ان، ما کے معنی میں ہے **فَحَقَّ عِقَابِ** یعنی اس جھٹلانے کی وجہ سے ان پر عذاب نازل ہوا یعقوب نے عذابی اور عقابی میں یاء کو دونوں حالتوں میں ثابت رکھا ہے اور باقی قراء نے اسے دونوں حالتوں میں حذف کیا ہے اس آیت کی مثل اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: **وَ قَالَ الَّذِيْٓ اٰمَنَ يٰقَوْمِ اِنِّيْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ مِّثْلَ يَوْمِ الْاَحْزَابِ ۝ مِثْلَ دَاْبِ قَوْمِ نُوْحٍ وَّ عَادٍ وَّ ثَمُوْدَ** (غافر) ان امتوں کو احزاب کا نام دیا گیا۔

وَ مَا يَنْظُرُ هٰٓؤُلَآءِ اِلَّا صَيْحَةً وَّاحِدَةً مَّا لَهَا مِنْ فَوَاقٍ ۝ وَ قَالُوْا رَبَّنَا عَجِّلْ لَّنَا قِطَّنَا قَبْلَ يَوْمِ الْحِسَابِ ۝

''اور نہیں انتظار کر رہے ہیں یہ کفار مکہ مگر ایک کڑک کا جن کے بعد کوئی مہلت نہیں ہوگی۔ وہ (مذاقاً) کہتے ہیں: اے ہمارے رب! جلدی دے دے ہمارے حصہ کا عذاب یوم حساب سے پہلے''۔

یہاں **يَنْظُرُ** ینتظر کے معنی میں ہے اس معنی میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: **انْظُرُوْنَا نَقْتَبِسْ مِنْ نُّوْرِكُمْ** (الحدید: 13) **هٰٓؤُلَآءِ** سے مراد کفار مکہ ہیں **اِلَّا صَيْحَةً وَّاحِدَةً** سے مراد قیامت کا نفحہ ہے یعنی غزوہ بدر میں جو مصیبت انہیں پہنچی اس کے بعد وہ قیامت کے نفحہ کا ہی انتظار کر رہے ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ان کے زندہ لوگ اس وقت صرف صیحہ کا ہی انتظار کر رہے ہیں صیحہ سے مراد صور پھونکنا ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: **مَا يَنْظُرُوْنَ اِلَّا صَيْحَةً وَّاحِدَةً تَاْخُذُهُمْ وَ هُمْ يَخِصِّمُوْنَ ۝ فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ تَوْصِيَةً** (یٰس) یہ قیامت اور موت کے قریب ہونے کی خبر ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ اس امت کے آخر کے کفار جو ان لوگوں کے طریقہ کو اپنائے ہوئے ہونگے وہ انتظار نہیں کرتے ہونگے مگر ایک صیحہ کا انتظار کر رہے ہونگے جو نفحہ ہے۔

حضرت عبد اللہ بن عمرو نے کہا: آسمان میں صیحہ نہیں ہوتا مگر اس وقت اللہ تعالیٰ اپنی زمین پر غضبناک ہوتا ہے۔

مَّا لَهَا مِنْ فَوَاقٍ ۝ جس کو لوٹایا نہیں جا سکے گا(2)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور مجاہد سے یہ مروی ہے کہ اس کے لیے لوٹنا نہیں۔ قتادہ نے کہا: اس کے لیے واپس آنا نہیں ہوگا۔ سدی نے کہا: اس سے افاقہ کی صورت نہ ہوگی۔ حمزہ اور کسائی نے

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 81　2۔ ایضاً، جلد 5، صفحہ 85

اسے مالہا من فُواق پڑھا ہے باقی قراء نے اسے فتحہ کے ساتھ پڑھا ہے۔

جوہری نے کہا: فَواق اور فُواق سے مراد دو دفعہ دوہنے کے درمیان کا جو عرصہ ہوتا ہے کیونکہ جانور کو دوہا جاتا ہے پھر اسے تھوڑا ترک کیا جاتا ہے تا کہ بچہ دودھ پیے تا کہ جانور دودھ اتارے پھر اسے دوبارہ دوہا جاتا ہے یہ جملہ بولا جاتا ہے: ما أقام عندہ إلا فواقا یعنی وہ گھڑی بھر اس کے پاس ٹھہرا۔ حدیث طیبہ میں ہے العیادۃ قدر فواق الناقۃ (1) عیادت اونٹنی دوہنے کے وقت تک ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: مَّا لَهَا مِنۡ فَوَاقٍ اسے فتحہ اور ضمہ دونوں طرح پڑھا جاتا ہے یعنی اس کے واقع ہونے پر راحت اور افاقہ کی صورت نہ ہوگی۔ الفیقۃ اس دودھ کو کہتے ہیں جو دو دفعہ دوہنے کے درمیان جمع ہو جاتا ہے واؤ یاء ہوگئی ہے کیونکہ اس کا ماقبل مکسور ہے۔ اعشی گائے کی تعریف کرتے ہوئے کہتا ہے:

حتّی إذا فِیقَةٌ فی ضَرعِها اجتمعتْ جاءتْ لِتُرضِعَ شِقَّ النَّفسِ لَوْ رَضَعا

یہاں تک کہ اس کی کھیری میں دودھ جمع ہو تا وہ آئی تا کہ نفس کے حصہ کو دودھ پلائے۔

فیقۃ کی جمع فیق ہے پھر اس کی جمع افواق ہے جس طرح شبر کی جمع اشبار ہے پھر اس کی جمع افاویق ہوتی ہے؛ ابن ہمام سلوی نے کہا:

وذَمُّوا لنا الدنیا وھُمْ یَرْضَعُونَها أَفَاوِیقَ حتّی ما یدِرُّ لها ثُعْلُ

وہ ہمارے سامنے دنیا کی مذمت کرتے ہیں جبکہ وہ خود اس کے جمع شدہ دودھ چوستے ہیں یہاں تک کہ ثعل اس کے لیے دودھ نہیں دیتا۔

افاویق اس پانی کو بھی کہتے ہیں جو بادل میں جمع ہو جاتا ہے وہ یکے بعد دیگرے بارش برساتا ہے أفاقت الفاقۃ إفاقۃ۔ اونٹنی کی کھیری میں دودھ جمع ہو گیا اس سے اسم فاعل مفیق اور مفیقہ ہے۔ ابو عمرو سے مروی ہے کہ اس کی جمع مفاویق ہے فراء ابو عبیدہ اور دوسرے علماء نے کہا: من فواق ہے یعنی فاء کے فتحہ کے ساتھ ہے جس کا معنی راحت ہے۔

میں کہتا ہوں: اس کا معنی یہ طویل ہوگا جو ختم نہیں ہوگا۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے روایت نقل کی ہے کہ ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان کیا جبکہ ہم آپ کے صحابہ کے ایک طائفہ میں تھے اس میں ہے کہ اللہ تعالیٰ حضرت اسرافیل علیہ السلام کو نفخہ اولی کا حکم دے گا ارشاد فرمائے گا: نفخہ فزع پھونکو تو تمام آسمان و زمین والے خوف زدہ ہو جائیں گے مگر جسے اللہ تعالیٰ چاہے گا اللہ تعالیٰ اسے حکم دے گا وہ اسے پھیلائے گا، اسے دوام دے گا اور اسے طویل کرے گا اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: وَمَا یَنۡظُرُ هٰۤؤُلَآءِ اِلَّا صَیۡحَةً وَّاحِدَةً مَّا لَهَا مِنۡ فَوَاقٍ ۞ اور حدیث کو ذکر کیا اسے علی بن معبد اور دوسرے علماء نے ذکر کیا ہے جس طرح ہم نے کتاب التذکرہ میں ذکر کیا ہے۔

مجاہد نے کہا قِطَّنَا کا معنی ہے ہمارا عذاب؛ قتادہ نے بھی یہی کہا ہے یعنی عذاب میں سے ہمارا حصہ۔ حضرت حسن بصری نے کہا: جنت میں ہمارا حصہ تا کہ دنیا میں اس سے لطف اندوز ہوں یہی سعید بن جبیر نے کہا: لغت میں یہ معروف ہے کہ

1۔ النہایہ لابن الاثیر، جلد 3، صفحہ 479

نصیب (حصہ) کو قط کہتے ہیں اور وہ کتاب جو انعام کے لیے لکھی گئی ہو اسے بھی قط کہتے ہیں۔ فراء نے کہا: کلام عرب میں قط سے مراد حصہ ہے اسی معنی میں رجسٹری کو قط کہتے ہیں۔ ابو عبید اور کسائی نے کہا: قط سے مراد وہ تحریر ہے جو انعامات کے لیے لکھی گئی ہو اس کی جمع قطوط ہے۔ اعشیٰ نے کہا:

ولاالمِلكُ النّعمانُ يومَ لَقِيتُهٗ بِغِبطَتِہٖ يُعطِي القُطوطَ وَيَأفِقُ(1)

قطوط سے مراد انعامات کی تحریر ہیں۔ بغبطتہ کی جگہ بنعمتہ کے الفاظ ہیں یعنی اپنے احسان کے ساتھ جلیل القدر حالت کے ساتھ یأفق یعنی اصلاح احوال کرتا ہے قط کی جمع میں قططہ کہتے ہیں اور جمع قلت اقط اور اقطاط ہے؛ یہ نحاس نے ذکر کیا ہے۔ سدی نے کہا: انہوں نے یہ سوال کیا تھا کہ جنت میں ان کی جو منازل ہیں ان کی مثالی شکل دکھائی جائے تاکہ انہیں علم ہو جائے کہ جو ان سے وعدہ کیا گیا ہے اس کی حقیقت کیا ہے۔

اسماعیل بن ابی خالد نے کہا: معنی ہے ہمارے رزق ہمیں جلدی دیئے جائیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ہمیں وہ چیز جلدی دی جائے جو ہماری ضروریات کے لیے کافی ہو یہ عربوں کے قول قطی سے ماخوذ ہے یعنی یہ میرے لیے کافی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: انہوں نے یہ بات ان کتابوں کے بارے میں کی تھی جو ان کے دائیں اور بائیں ہاتھوں میں دی جاتی تھیں ان پر یہ قرآن پڑھا گیا وہ اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے فاما من اوتی کتابہ بیمینہ۔ واما من اوتی کتابہ وراء ظھرہ۔ قط کا اصل معنی کاٹنا ہے اسی سے یہ جملہ بولا جاتا ہے قط القلم قط کسی شے کے ایک ٹکڑے کو کہتے ہیں جس طرح قِسم اور قَسم ہے اس کا اطلاق نصیب، کتاب اور رزق پر ہوتا ہے کیونکہ وہ غیر سے الگ ہوتا ہے مگر اس کا اطلاق کتاب (تحریر) میں زیادہ استعمال ہوتا ہے حقیقت کے اعتبار سے قوی ہے؛ امیہ بن ابی صلت نے اسی معنی میں یہ شعر کہا ہے:

قَومٌ لهم ساحةُ العِراقِ وما يُجبى إليه وَالقِطُّ والقَلَمُ(2)

وہ ایسی قوم ہیں جن کے لیے عراق کا علاقہ اور جو اس کے لیے اکٹھا کیا جاتا ہے اور ان کے لیے تحریر اور قلم ہے۔

قَبْلَ يَوْمِ الْحِسَابِ ۝ یعنی دنیا میں ہی قیامت سے قبل اگر معاملہ اس طرح ہے جس طرح محمد ﷺ کہتے ہیں۔ یہ سب کچھ ان کی جانب سے استہزاء کے طور پر تھا۔

اِصْبِرْ عَلٰى مَا يَقُوْلُوْنَ وَاذْكُرْ عَبْدَنَا دَاوٗدَ ذَا الْاَيْدِ ۚ اِنَّهٗۤ اَوَّابٌ ۝

"(اے حبیب!) صبر کرو ان کی نامعقول باتوں پر اور یاد فرمایئے ہمارے بندے داؤد کو جو بڑا طاقتور تھا وہ ہماری طرف بہت رجوع کرنے والا تھا"۔

جب کفار نے مذاق کیا تو نبی کریم ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے صبر کرنے کا حکم دیا۔ یہ آیت آیت سیف کے ساتھ منسوخ ہے۔ جب اللہ تعالیٰ نے کفار کے واقعات اور ان کی دشمنی کا ذکر کیا اور سابقہ قوموں کی ہلاکت کا ذکر کر کے انہیں خبردار کیا تو نبی کریم ﷺ کو ان کی اذیتوں پر صبر کا حکم دیا اور جو کچھ پہلے مذکور ہوا اس کے ساتھ آپ ﷺ کو تسلی دی، پھر حضرت داؤد علیہ

1۔ المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 496
2۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 83

السلام اور انبیاء کا ذکر شروع کیا تا کہ جن لوگوں نے صبر کیا ان کے صبر سے آپ بھی تسلی پائیں اور آپ کو یہ علم ہو جائے کہ آخرت میں آپ کے لیے کئی گنا اجر ہو گا اس اجر کی بنسبت جو حضرت داؤد علیہ السلام اور دوسرے انبیاء کو عطاء کیا گیا۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: معنی ہے ان کے قول پر صبر کیجئے اور ان کے لیے انبیاء کے قصے بیان کیجئے تا کہ وہ قصے آپ کی نبوت کی صحت پر دلیل بن جائیں۔

ذَا الْاَیْدِ سے مراد ''عبادت میں قوی'' ہے۔ آپ ایک دن روزہ رکھتے اور ایک دن افطار کرتے۔ یہ روزہ سب سے مشکل اور سب سے فضیلت والا ہے۔ آپ نصف رات نماز پڑھا کرتے تھے جب دشمن سے ملاقات ہوتی تو نہیں بھاگا کرتے تھے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا کرنے میں بڑے قوی تھے۔ عَبْدَنَا کا قول اضافت کے ساتھ شرف کو ظاہر کرنے کے لیے ہے۔

اسے الاید اور الآد بھی کہا جاتا ہے جس طرح کہا جاتا ہے: العیب والعاب شاعر نے کہا:

لم یَكُ یَنَاد فَأَمْسَى انَادا۔ وہ لکڑی ٹیڑھی نہیں تھی وہ اب ٹیڑھی ہو گئی۔

اسی سے رجل اید ہے یعنی قوی آدمی۔ تاید الشیء شی قوی ہو گئی اس معنی میں شاعر نے کہا:

إذا القوس وَتَّرها أَيِّدٌ رَمَى فَاَصَابَ الكُلَى وَالذُّرا

شاعر کہتا ہے: جب اللہ تعالیٰ نے اس کی کمان کی تانت کو کسا جو بادلوں میں ہے اور اسے پھینکا تو وہ اونٹوں کے گردوں کو جا لگا اور انہیں چربی کے ساتھ موٹا کر دیا۔ مراد اس سے نباتات ہے جو بارش کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے۔

اِنَّهٗۤ اَوَّابٌ ضحاک نے کہا: اس کا معنی توبہ کرنے والا (1)۔ اور دوسروں سے مروی ہے کہ جب بھی وہ کسی لغزش کو یاد کرتے یا ان کے دل میں ان کے بارے میں کھٹکا پیدا ہوتا تو اللہ تعالیٰ سے بخشش کے طالب ہوتے جس طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''میں دن اور رات میں سو دفعہ استغفار کرتا ہوں، آب یئوب اس وقت کہتے ہیں جب وہ لوٹ آئے؛ جس طرح شاعر نے کہا:

وكلُّ ذي غَيْبَةٍ يئوبُ وغائبُ الموت لايئوبُ

ہر غائب لوٹ آتا ہے اور موت کی وجہ سے غائب ہونے والا نہیں لوٹتا۔

حضرت داؤد علیہ السلام ہر معاملہ میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور رضا کی طرف لوٹنے والے تھے وہ اس لائق تھے کہ ان کی اقتدا کی جائے۔

اِنَّا سَخَّرْنَا الْجِبَالَ مَعَهٗ یُسَبِّحْنَ بِالْعَشِیِّ وَ الْاِشْرَاقِ ﴿۱۸﴾

''ہم نے فرمانبردار بنا دیا تھا پہاڑوں کو وہ ان کے ساتھ تسبیح پڑھتے تھے عشاء اور اشراق کے وقت''۔

اس میں چار مسائل ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ یُسَبِّحْنَ حال ہونے کی حیثیت سے محل نصب میں ہے جو وہ برہان اور معجزہ لائے اور اللہ تعالیٰ نے

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 84

اس کا ذکر فرمایا وہ پہاڑوں کا ان کے ساتھ تسبیح کرنا ہے۔ مقاتل نے کہا: حضرت داؤد علیہ السلام جب اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے تو پہاڑ بھی ان کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے۔ حضرت داؤد علیہ السلام پہاڑوں کی تسبیح کو سمجھتے تھے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: یُسَبِّحْنَ کا معنی ہے وہ نماز پڑھتے تھے ہر چیز معجزہ ہوگئی جب لوگوں نے اسے دیکھا اور اسے پہچانا۔

محمد بن اسحاق نے کہا: حضرت داؤد علیہ السلام کو خوبصورت آواز دی گئی تھی پہاڑوں میں اس کی وجہ سے جو ہلکی آواز پیدا ہوتی ہے اور پرندے اس کی طرف جو کان لگاتے اور اس کے ساتھ آوازیں نکالتے جو پہاڑوں اور پرندوں کی تسبیح تھی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے پہاڑوں کو مسخر کیا تھا کہ آپ کے ساتھ چلیں تو یہ ان پہاڑوں کی تسبیح ہوگی کیونکہ یہ چیز اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ اللہ تعالیٰ مخلوقات کی مشابہت سے پاک ہے اس کے بارے میں گفتگو سورۂ سبا اور اللہ تعالیٰ کے فرمان: وَ اِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ وَ لٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِیْحَهُمْ (الاسراء: 44) میں گزر چکی ہے۔ اقوال میں سے صحیح ترین قول وہ ہے؛ جو قولی تسبیح ہے اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

اشراق سے مراد سورج کے طلوع ہونے کے بعد اس کا سفید ہونا ہے یہ جملہ بولا جاتا ہے: شرقت الشمس جب وہ طلوع ہو اشرقت جب وہ خوب روشن ہو جائے۔ حضرت داؤد علیہ السلام سورج کے طلوع اور غروب کے وقت نماز کے بعد اللہ تعالیٰ کی تسبیح بیان کرتے تھے۔

مسئلہ نمبر2۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہا: میں اس آیت بِالْعَشِیِّ وَ الْاِشْرَاقِ کے پاس سے گزرتا تھا میں نہیں جانتا تھا کہ وہ کیا ہے یہاں تک کہ حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا نے مجھے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے ہاں تشریف لائے آپ نے پانی منگوایا وضو کیا پھر چاشت کی نماز پڑھی فرمایا: ''ام ہانی یہ اشراق کی نماز ہے'' عکرمہ نے کہا: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: صلاۃ الضحی کے بارے میں میرے ذہن میں الجھن سی تھی یہاں تک کہ میں نے اسے قرآن میں پایا یُسَبِّحْنَ بِالْعَشِیِّ وَ الْاِشْرَاقِ۔ عکرمہ نے کہا: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما چاشت کی نماز نہیں پڑھتے تھے پھر اسے بعد میں پڑھنے لگے۔ روایت کی گئی ہے کہ کعب الاحبار نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے کہا: میں اللہ کی نازل کردہ کتابوں میں سورج کے طلوع ہونے کے بعد ایک نماز پاتا ہوں وہ اوابین کی نماز ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: میں تجھے قرآن دکھاتا ہوں وہ حضرت داؤد علیہ السلام کے قصہ میں ہے یُسَبِّحْنَ بِالْعَشِیِّ وَ الْاِشْرَاقِ۔

مسئلہ نمبر3۔ چاشت (1) کی نماز نفل اور مستحب ہے (2) یہ دن کے پہلے پہر میں اسی طرح ہے جس طرح دن کے پچھلے پہر میں عصر ہے۔ نماز پڑھنا مناسب نہیں یہاں تک کہ سورج طلوع ہونے کے بعد سفید ہو جائے اس کا گدلا پن ختم ہو جائے وہ اپنی روشنی کی وجہ سے منور ہو جائے جس طرح عصر کی نماز اس وقت پڑھنا مناسب نہیں جب سورج زرد ہو جائے۔

1۔ من صلاۃ الضحی کے الفاظ ہیں جس کا لغوی معنی چاشت کی نماز ہے لیکن جو تعبیر کی گئی ہے وہ اشراق کے نوافل بنتے ہیں جو سورج کے طلوع ہونے کے تقریباً بیس پچیس منٹ بعد پڑھے جاتے ہیں۔ صلاۃ الضحی تو تقریباً دو، اڑھائی گھنٹے بعد پڑھی جاتی ہے۔

2۔ احکام القرآن، جلد 4، صفحہ 1625

صحیح مسلم میں زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: صلاۃ الأوابین حین ترمض الفصالُ اوابین کی نماز اس وقت ہوتی ہے جب اونٹوں کے بچے گرمی محسوس کرنے لگیں۔ فصال اور فصلان، فصیل کی جمع ہے اس سے مراد اونٹ کا وہ بچہ ہوتا ہے جسے دودھ چھڑا دیا گیا ہو۔ رمضاء سے مراد زمین میں گرمی کی شدت ہے۔ یہاں فصال کا خصوصاً ذکر کیا ہے کیونکہ یہ اس وقت گرمی محسوس کرنے لگتے ہیں کہ ابھی گرمی کی شدت انتہاء کو نہیں پہنچتی جس وقت ان کی مائیں گرمی محسوس کرتی ہیں اس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ ان میں قوت برداشت کم ہوتی ہے یہ چاشت کے وقت اور اس کے تھوڑا وقت بعد ہوتا ہے، یہ سورج کے طلوع ہونے اور زوال کے درمیان کا وقت ہوتا ہے؛ یہ قاضی ابو بکر بن عربی نے کہا: لوگوں میں سے اس سے کچھ تھوڑا پہلے نماز پڑھتے ہیں کیونکہ انہیں جلدی ہوتی ہے کیونکہ انہیں کوئی مصروفیت ہوتی ہے پس اس وجہ سے عمل میں کچھ کمی واقع ہو جائے گی کیونکہ وہ ممنوع وقت میں نماز پڑھتا ہے اور وہ ایسا بھی کرتا ہے جو اس کے خلاف چلا جاتا ہے وہ اس کے حق نہیں ہوتا۔

مسئلہ نمبر 4۔ امام ترمذی نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے حدیث نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: من صلی الضحی ثنتی عشرۃ رکعۃ بنی اللہ لہ قصرا من ذھب فی الجنۃ(1) جو چاشت کے بارہ نوافل پڑھے اللہ تعالیٰ جنت میں اس کے لیے سونے کا ایک محل بنا دے گا۔ کہا: یہ حدیث غریب ہے۔

صحیح مسلم میں حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ''تمہاری ہڈیوں میں سے چھوٹی ہڈی پر صدقہ ہے پس ہر تسبیح (سبحان اللہ) صدقہ ہے ہر تہلیل (لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ) صدقہ ہے ہر تکبیر (اللہ اکبر) صدقہ ہے نیکی کا حکم دینا صدقہ ہے نہی عن المنکر صدقہ ہے دو رکعتیں ان کے قائم مقام ہو جاتی ہیں جو آدمی چاشت کے وقت پڑھتا ہے''(2)۔

ترمذی نے کہا: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''جس نے چاشت کے دو نفلوں میں مواظبت اختیار کی تو اس کے گناہ بخش دیئے جائیں گے اگرچہ وہ سمندر کی جھاگ جتنے ہوں''(3)۔

امام بخاری اور امام مسلم نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے: ''میرے خلیل نے مجھے تین چیزوں کی وصیت کی، میں اپنی موت تک انہیں نہیں چھوڑوں گا ہر ماہ تین روزے، چاشت کی نماز اور وتر پڑھ کر سونا''(4)۔ الفاظ بخاری کے ہیں۔ امام مسلم نے یہ روایت کیا ہے: چاشت کے دو نفل ہیں۔ انہوں نے حضرت ابو درداء سے روایت نقل کی ہے جس طرح امام بخاری نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے۔ یہ سب بحث اس پر دلالت کرتی ہے کہ چاشت کی نماز کی کم سے کم رکعتیں دو ہیں اور زیادہ سے زیادہ بارہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

1۔ جامع ترمذی، کتاب الوتر، ما جاء فی صلوٰۃ الضحی، جلد 1، صفحہ 62

2۔ صحیح مسلم، کتاب الصلوٰۃ، استحباب الصلوٰۃ الضحی، جلد 1، صفحہ 250

3۔ جامع ترمذی، کتاب الوتر، ما جاء فی صلوٰۃ الضحی، جلد 1، صفحہ 63

4۔ صحیح بخاری، کتاب التہجد، صلوٰۃ الضحی فی الحضر، جلد 1، صفحہ 157

سُلامَی کا اصل معنی انگلیوں، ہتھیلیوں اور پاؤں کی ہڈیاں ہیں پھر اس کا استعمال جسم کی تمام ہڈیوں اور جوڑوں میں ہونے لگا۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''بنی آدم میں ہر انسان تین سو ساٹھ جوڑوں پر پیدا کیا گیا ہے جس نے اللہ اکبر، الحمد للہ، لا إله إلا الله، سبحان الله، أستغفر الله کہا، راستہ سے کوئی پتھر، کوئی کانٹا یا راستہ سے کوئی ہڈی ہٹائی، نیکی کا حکم دیا اور برائی سے روکا اس نے یہ عمل تین سو ساٹھ کی تعداد کے برابر کیا تو وہ اس روز چلے گا جبکہ اس نے اپنے آپ کو آگ سے محفوظ کر لیا ہوگا (1)'' ابو توبہ نے کہا: بعض اوقات یمشی کا لفظ ذکر کیا۔ امام مسلم نے اسی طرح نقل کیا ہے ان کا قول ہے ویجزی من ذلك رکعتان یعنی ان اعضاء کی جانب سے ان صدقات کے لیے دو رکعتیں کافی ہو جائیں گی اس کی وجہ یہ ہے کہ نماز ایک ایسا عمل ہے جس کو جسم کے تمام اعضاء کے ساتھ کیا جاتا ہے جب وہ نماز پڑھتا ہے تو جسم کا ہر عضو وہ فریضہ سرانجام دیتا ہے جو اس پر لازم ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

وَالطَّيْرَ مَحْشُوْرَةً ۭ كُلٌّ لَّهٗۤ اَوَّابٌ ۝ وَ شَدَدْنَا مُلْكَهٗ وَاٰتَيْنٰهُ الْحِكْمَةَ وَ فَصْلَ الْخِطَابِ ۝

''اور پرندوں کو وہ بھی تسبیح کے وقت جمع ہو جاتے اور سب ان کے لیے فرمانبردار تھے۔ اور ہم نے مستحکم کر دیا ان کی حکومت کو اور ہم نے بخشی انہیں دانائی اور فیصلہ کن بات کرنے کا ملکہ''۔

وَالطَّيْرَ مَحْشُوْرَةً اس کا عطف الجبال پر ہے۔ فراء نے کہا: اگر اسے والطیر محشورۃٌ پڑھا جائے تو یہ بھی جائز ہے کیونکہ یہاں فعل ظاہر نہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: حضرت داؤد علیہ السلام جب تسبیح کرتے تو پہاڑ انہیں جواب دیتے اور پرندے ان کے پاس جمع ہو جاتے اور ان کے ساتھ تسبیح کہتے، ان کا آپ کے پاس جمع ہونا ہی ان کا حشر ہے معنی ہے کہ ہم نے پرندوں کو مسخر کیا کہ وہ آپ کے پاس جمع ہوتے تاکہ وہ آپ کے ساتھ ملکر اللہ تعالیٰ کی تسبیح کہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ ہم نے ہوا کو مسخر کیا تاکہ پرندے ان کے پاس جمع ہوں تاکہ آپ کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی تسبیح کریں یا ہم نے فرشتوں کو حکم دیا کہ وہ پرندوں کو جمع کریں ہر ایک حضرت داؤد علیہ السلام کا تابعدار تھا یعنی ان کے پاس آتا اور ان کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی تسبیح کرتا۔ ایک قول یہ کیا گیا: لہ میں ضمیر اللہ تعالیٰ کے لیے ہے وَ شَدَدْنَا مُلْكَهٗ یعنی ہم نے اسے قوی کیا یہاں تک کہ وہ پختہ ہو گیا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ہم نے ہیبت اور دلوں میں رعب ڈال کر ان کی حکومت کو پختہ کیا (2)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: لشکروں کی زیادتی کے ساتھ ہم نے اس کے ملک کو پختہ کیا۔ ایک قول یہ کیا گیا: تائید اور نصرت کے ساتھ ہم نے اس کے ملک کو مضبوط کیا: یہ ابن عربی کا پسندیدہ نقطہ نظر ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: حضرت داؤد علیہ السلام شان و شوکت کے اعتبار سے سب سے قوی بادشاہ تھے ہر رات ان کی عبادت گاہ کی تیس ہزار سے اوپر لوگ نگہبانی کیا کرتے تھے جب آپ صبح کرتے تو کہا جاتا واپس چلو تم سے اللہ کا نبی راضی ہے۔ ملک کا معنی ملکیت کی زیادتی ہے آدمی کی ملکیت ہوتی ہے مگر اس وقت ملک نہیں ہوتا یہاں تک کہ اس کی مملوکہ

1۔ صحیح مسلم، کتاب الزکوٰۃ، بان اسم الصدقة، جلد 1، صفحہ 325
2۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 84

چیزیں کثیر نہ ہو جائیں اگر ایک آدمی گھر اور بیوی کا مالک ہو جائے تو وہ اس وقت تک مَلِک نہیں کہلاتا یہاں تک کہ اس کے پاس خادم ہو جو منافع میں تصرف کی ذمہ داری کو کافی ہو جس کا ایک انسان محتاج ہوا کرتا ہے یہ معنی سورۂ براءہ میں گذر چکا ہے اور ملک کی حقیقت سورۂ نمل میں گذر چکی ہے۔

وَاٰتَيْنٰهُ الْحِكْمَةَ وَفَصْلَ الْخِطَابِ۝ اس میں دو مسئلے ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: اٰتَيْنٰهُ الْحِكْمَةَ حکومت سے مراد نبوت ہے(1)؛ یہ سدی کا قول ہے۔ مجاہد نے کہا: اس سے مراد عدل ہے۔ ابو عالیہ نے کہا: اس سے مراد اللہ تعالیٰ کی کتاب کا علم ہے۔ قتادہ نے کہا: اس سے مراد سنت ہے۔ شریح نے کہا: اس سے مراد علم اور فقہ ہے۔ وَفَصْلَ الْخِطَابِ ابو عبد الرحمٰن سلمی اور قتادہ نے کہا: قضاء میں فیصلہ ہے؛ یہ حضرت ابن مسعود، حضرت حسن بصری، کلبی اور مقاتل کا قول ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: مراد بیان کلام ہے۔ حضرت علی بن ابی طالب نے کہا: اس سے مراد یہ ارشاد ہے البینة علی المدعی والیمین علی من انکر شریح، قتادہ اور شعبی کا قول ہے: ابو موسیٰ اشعری اور شعبی نے کہا یہ ان کا قول اما بعد ہے۔ سب سے پہلے حضرت داؤد علیہ السلام نے اما بعد کا کلمہ استعمال کیا تھا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وَفَصْلَ الْخِطَابِ سے مراد حق اور باطل کے درمیان فرق کرنے والا بیان ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے مراد کثیر معانی کا قلیل الفاظ میں سمودینا ہے۔ ان اقوال کے معنی قریب قریب ہیں۔ حضرت علی شیر خدا کا قول اس کو جامع ہے کیونکہ فیصلہ کا دارومدار اسی پر ہوتا ہے، حضرت ابو موسیٰ اشعری کا قول اس سے مختلف ہے۔

مسئلہ نمبر 2۔ قاضی ابو بکر بن عربی نے کہا: جہاں تک علم قضا کا تعلق ہے(2) تیرے معبود کی قسم! یہ علم کی ایک انوکھی قسم ہے اور اس کی مؤکد فصل ہے، یہ احکام کی معرفت اور حلال و حرام کی بصیرت سے الگ ہے حدیث طیبہ میں ہے أقضاكم علي وأعلمكم بالحلال والحرام معاذ بن جبل (3) تم میں سے سب سے بہتر فیصلہ کرنے والے حضرت علی ہیں اور تم میں سے سب سے زیادہ حلال و حرام کے مسائل جاننے والے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ ہیں۔ بعض اوقات ایک آدمی افعال کے احکام کو جانتا ہے حلال و حرام کو پہچانتا ہے وہ فیصلہ کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتا۔ روایت بیان کی جاتی ہے کہ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے کہا: جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے یمن بھیجا کچھ لوگوں نے شیر کو شکار کرنے کے لیے ایک گڑھا کھودا اس میں شیر گر پڑا لوگ اس گڑھے پر اکٹھے ہو گئے اس گڑھے میں ایک آدمی گرا وہ ایک اور آدمی کے ساتھ چمٹ گیا وہ ایک آدمی کے ساتھ چمٹ گیا یہاں تک کہ وہ کل چار آدمی ہو گئے شیر نے انہیں زخمی کر دیا تو وہ ہلاک ہو گئے لوگوں نے اسلحہ تھام لیا قریب تھا کہ ان کے درمیان جنگ ہو جاتی فرمایا: میں ان کے پاس آیا اور میں نے کہا: کیا تم چار آدمیوں کی وجہ سے دو سو آدمیوں کو قتل کرتے ہو آؤ میں تمہارے درمیان فیصلہ کرتا ہوں اگر تم اس پر راضی ہو تو وہ تمہارے درمیان فیصلہ ہو گا اگر تم وہ فیصلہ ماننے سے انکار کر دو تو تم وہ معاملہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں پیش کر دینا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فیصلہ کرنے کے زیادہ حقدار ہیں، حضرت علی شیر

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 84
2۔ احکام القرآن لابن العربی، جلد 4، صفحہ 29-28-1627
3۔ سنن ابن ماجہ، باب فضائل خباب رضی اللہ عنہ، حدیث نمبر 150، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

خدا نے پہلے کے لیے چوتھائی دیت، دوسرے کے لیے ایک تہائی دیت، تیسرے کے لیے نصف دیت اور چوتھے کے لیے پوری دیت کا فیصلہ کیا اور تمام دیتیں ان افراد پر لازم کر دیں جنہوں نے وہ گڑھا کھودا تھا اور اسے ان چار قبائل پر تقسیم کر دیا کچھ لوگ راضی ہو گئے اور کچھ لوگ ناراض ہو گئے پھر وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور تمام واقعات بیان کیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''میں تمہارے درمیان فیصلہ کروں گا ایک آدمی نے عرض کی: حضرت علی شیر خدا نے ہمارے درمیان ایک فیصلہ کیا ہے، حضرت علی شیر خدا نے جو فیصلہ کیا تھا اسے بیان کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''فیصلہ تو وہی ہے جو حضرت شیر خدا رضی اللہ عنہ نے کیا ہے''۔ ایک روایت میں آتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی شیر خدا کا فیصلہ نافذ کر دیا۔

اسی طرح المعرفة بالقضاء میں ہے کہ حضرت امام ابوحنیفہ کے پاس ایک آدمی آیا عرض کی کہ ابن ابی لیلی جو کوفہ کے قاضی تھے نے ایک مجنونہ عورت کو دو حدیں جاری کرتے ہوئے کوڑے مارے جس نے ایک آدمی کو کہا: اے دو بدکاری کرنے والوں کے بیٹے جبکہ وہ عورت کھڑی تھی حضرت امام ابوحنیفہ نے فرمایا: اس نے چھ وجوہ سے غلطی کی ہے۔

ابن عربی نے کہا: امام ابوحنیفہ نے یہ قول بدیہی طور پر کر دیا علماء کے علاوہ کوئی آدمی روایت کو نہیں جانتا۔ جہاں تک حضرت علی شیر خدا کے فیصلہ کا تعلق ہے اس کو تھوڑا علم رکھنے والا نہیں جان سکتا اور احکام میں تجربہ رکھنے والا اس کا ادراک نہیں کر سکتا مگر وہ جو طویل عرصہ تک اس پر اپنی توجہات کو مرکوز کیے ہوئے ہو۔

اس کی وضاحت یہ ہے کہ یہ جو چار مقتول ہیں خطا قتل ہوئے کیونکہ جو لوگ وہاں حاضر تھے ان میں دھکم پیل ہوئی اور جن لوگوں نے اس گڑھے کو کھودا ان پر ان مرنے والوں کی دیت خطا لازم ہو گئی مگر جو پہلا ہے دھکم پیل کی وجہ سے مقتول ہے جس نے تین دوسرے افراد کو کھینچتے ہوئے قتل کیا اس کے لیے قتل ہونے کی وجہ سے دیت ہو گی اور اس پر تین چوتھائی دیت لازم ہو گی ان افراد کی جن کو اس نے کھینچ کر قتل کیا ہے جہاں تک دوسرے کا تعلق ہے اس کے لیے ایک تہائی دیت ہو گی اور اس پر ان دو افراد کی دو تہائی دیت لازم ہو گی جن دو کو اس نے کھینچ کر قتل کیا۔

جہاں تک تیسرے کا تعلق ہے اسکے لیے نصف دیت ہو گی اور اس پر بھی نصف دیت ہو گی کیونکہ اس نے ایک آدمی کو کھینچ کر قتل کیا تھا اس طرح ان میں تقسیم ہو گی اور اور عاقلہ جاری قصاص کے بعد اس طرح چٹی بھریں گے یہ بہت عمدہ استنباط ہے۔

جہاں تک امام ابوحنیفہ کا تعلق ہے تو آپ نے متعلقہ اسباب کو دیکھا تو آپ نے غلطی کی چھ وجوہ کو دیکھا۔

(1) مجنون پر کوئی حد نہیں ہوتی کیونکہ جنون احکام کے مکلف ہونے کے حکم کو ساقط کر دیتا ہے یہ اس وقت ہوتا جب تہمت جنون کی حالت میں لگائی ہو جہاں تک اس آدمی کا تعلق ہے جسے کسی وقت جنون لاحق ہوتا ہو اور کسی وقت افاقہ ہوتا ہو تو اسے افاقہ کی حالت میں حد قذف لگائی جائے گی۔ (2) اس کا قول: اے دو بدکاروں کے بیٹے! تو اس کے کوڑے دو حدوں کی صورت میں لگنے چاہئیں تھے ہر اک کی وجہ سے ایک حد جاری ہونی تھی، امام ابوحنیفہ نے اپنے مذہب کے مطابق اسے غلط قرار دیا ہے کیونکہ حد قذف میں تداخل واقع ہوتا ہے کیونکہ ان کے نزدیک یہ اللہ تعالیٰ کا حق ہے جس طرح شراب اور بدکاری کی حد ہے جہاں تک امام شافعی اور امام مالک کا تعلق ہے دونوں کی رائے یہ ہے کہ حد قذف یہ بندے کا حق ہے اس وجہ سے

جب وہ افراد متعدد ہیں جن پر تہمت لگائی گئی ہے تو حدیں بھی متعدد ہونگی۔(3) قاضی نے مقذوف کے مطالبہ کے بغیر حد لگائی ہے اور امت کا اجماع ہے کہ حد قذف مطالبہ کے بعد ہی جائز ہے خواہ وہ یہ کہتا ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کا حق ہے اور جو یہ کہتا ہے کہ یہ بندے کا حق ہے اس تعبیر کی بنا پر یہ دلیل قائم ہو جاتی ہے کہ جو یہ خیال کرتا ہے کہ یہ بندے کا حق ہے اگر یہ اللہ تعالیٰ کا حق ہوتا تو مطالبہ پر موقوف نہ ہوگی جس طرح کہ حد زنا ہے۔(4) اس نے پے در پے دو حدیں جاری کیں جبکہ جس پر حدیں واجب ہوں انہیں پے در پے جاری نہیں کیا جاتا بلکہ ایک حد جاری کی جاتی ہے پھر اسے چھوڑ دیا جاتا ہے یہاں تک کہ زخم مندمل ہو جائیں پھر اس پر دوسری حد جاری کی جائے گی۔(5) اس نے عورت پر حد جاری کی ہے جبکہ وہ کھڑی تھی جبکہ عورت پر حد اس وقت جاری کی جاتی ہے جبکہ وہ بیٹھی ہوئی ہو اور پردے میں ہو۔(6) اس نے مسجد میں حد جاری کی ہے جبکہ مسجد میں حد جاری نہیں کی جاتی جبکہ اس پر اجماع ہے کہ حدود مسجد میں جاری نہیں کی جاتیں۔

مسجد میں فیصلہ کرنے اور تعزیر کرنے میں اختلاف ہے۔

قاضی نے کہا: یہی مفصل خطاب اور علم قضاء ہے حدیث أقضاكم علی کی جو تاویلیں کی گئی ہیں ان میں سے ایک تاویل کی بنا پر اسی علم کی طرف اشارہ ہے جس نے کہا: اس سے مراد ایجاز ہے۔ تو وہ عربوں کے لیے ہے عجمیوں کے لیے نہیں ہوگا اسی طرح ایجاز سرور دو عالم ﷺ کے لیے ہوگا دوسرے عربوں کے لیے نہ ہوگا نبی کریم ﷺ نے اپنے اس ارشاد میں وضاحت کی ہے: وأوتیت جوامع الکلم(1) مجھے جوامع کلم سے نوازا گیا۔ جس نے کہا: اس سے مراد اما بعد ہے تو نبی کریم ﷺ اپنے خطبہ میں ارشاد فرماتے ہیں: اما بعد یہ ذکر کیا جاتا ہے کہ دور جاہلیت میں سب سے پہلے جس آدمی نے یہ لفظ استعمال کیا وہ سحبان بن وائل تھا یہی وہ پہلا شخص ہے جو بعث بعد الموت پر ایمان لایا تھا اور وہی پہلا شخص ہے جس نے عصا پر ٹیک لگائی تھی اور اس کی عمر ایک سو اسی سال ہوئی اگر یہ درست ہو کہ حضرت داؤد علیہ السلام نے یہ کہا تھا تو وہ عربی زبان میں نہیں ہوگا بلکہ وہ ان کی اپنی زبان میں ہوگا۔

وَ هَلْ اَتٰىكَ نَبَؤُا الْخَصْمِ ۘ اِذْ تَسَوَّرُوا الْمِحْرَابَ ﴿21﴾ اِذْ دَخَلُوْا عَلٰى دَاوٗدَ فَفَزِعَ مِنْهُمْ قَالُوْا لَا تَخَفْ ۚ خَصْمٰنِ بَغٰى بَعْضُنَا عَلٰى بَعْضٍ فَاحْكُمْ بَيْنَنَا بِالْحَقِّ وَ لَا تُشْطِطْ وَ اهْدِنَاۤ اِلٰى سَوَآءِ الصِّرَاطِ ﴿22﴾ اِنَّ هٰذَاۤ اَخِيْ ۫ لَهٗ تِسْعٌ وَّ تِسْعُوْنَ نَعْجَةً وَّ لِيَ نَعْجَةٌ وَّاحِدَةٌ ۫ فَقَالَ اَكْفِلْنِيْهَا وَ عَزَّنِيْ فِي الْخِطَابِ ﴿23﴾ قَالَ لَقَدْ ظَلَمَكَ بِسُؤَالِ نَعْجَتِكَ اِلٰى نِعَاجِهٖ ؕ وَ اِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ الْخُلَطَآءِ لَيَبْغِيْ بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَ قَلِيْلٌ مَّا هُمْ ؕ وَ ظَنَّ دَاوٗدُ اَنَّمَا فَتَنّٰهُ فَاسْتَغْفَرَ رَبَّهٗ وَ خَرَّ رَاكِعًا وَّ اَنَابَ ﴿24﴾ فَغَفَرْنَا لَهٗ ذٰلِكَ ؕ وَ اِنَّ لَهٗ عِنْدَنَا لَزُلْفٰى وَ حُسْنَ مَاٰبٍ ﴿25﴾

1۔ مشکوٰۃ المصابیح، باب فضائل سید المرسلین

"اور کیا آئی ہے آپ کے پاس اطلاع فریقین مقدمہ کی جب انہوں نے دیوار پھاندی عبادت گاہ کی اور جب اچانک داخل ہوئے داؤد پر پس آپ کچھ گھبرا گئے ان سے انہوں نے کہا: ڈریئے نہیں ہم تو مقدمہ کے دو فریق ہیں زیادتی کی ہے ہم سے ایک نے دوسرے پر آپ ہمارے درمیان انصاف سے فیصلہ فرمایئے اور بے انصافی نہ کیجئے اور دکھایئے ہمیں سیدھا راستہ (صورت نزاع یہ ہے کہ) یہ میرا بھائی ہے اور ان کی ننانوے دنبیاں ہیں اور میرے پاس صرف ایک دنبی ہے اب یہ کہتا ہے کہ وہ بھی میرے حوالے کر دے اور سختی کرتا ہے میرے ساتھ گفتگو میں۔ آپ نے فرمایا: بے شک اس نے ظلم کیا تم پر یہ مطالبہ کر کے کہ تیری دنبی کو اپنی دنبیوں میں ملا دے اور اکثر حصہ دار زیادتی کرتے ہیں ایک دوسرے پر سوائے ان حصہ داروں کے جو ایمان لائے اور نیک کام کرتے رہے اور ایسے لوگ بہت تھوڑے ہیں۔ اور فوراً خیال آ گیا داؤد کو کہ ہم نے اسے آزمایا ہے سو وہ معافی مانگنے لگ گئے اپنے رب سے اور گر پڑے رکوع میں پس ہم نے بخش دی ان کی تقصیر، اور بے شک ان کے لیے ہمارے ہاں بڑا قرب ہے اور خوبصورت انجام ہے"۔

اس میں چوبیس مسائل ہیں۔

مسئلہ نمبر 1۔ خصم کا لفظ ایک، دو اور جماعت پر واقع ہوتا ہے (1) کیونکہ اصل میں یہ مصدر ہے۔ شاعر نے کہا:

وَخَصْمٍ غِضَابٍ يَنْفُضُونَ لِحَاهُمُ كَنَفْضِ البَرَاذِينِ العِرَابِ الـمَخَالِيَا

وہ غصیلے دشمن ہیں وہ اپنی داڑھیوں کو یوں جھاڑتے ہیں جس طرح ترکی و عربی گھوڑے توبروں کو جھاڑتے ہیں۔

نحاس نے کہا: اہل تفسیر میں کوئی اختلاف نہیں کہ یہاں خصم سے مراد دو فرشتے ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا: تَسَوَّرُوا یہ لفظ خصم پر محمول کرتے ہوئے جمع کا صیغہ ذکر کیا ہے اگرچہ جھگڑا کرنے والے دو تھے کیونکہ یہ جمع کے لفظ کے ساتھ ہے اور اس کے مشابہ ہے جس طرح الرکب اور الصحب ہے۔ اس کی تقدیر پر دو کے لیے ذوا خصم ہوگی اور جماعت کے لیے ذوو خصم ہوگی۔

تَسَوَّرُوا الْمِحْرَابَ وہ دیوار کے اوپر سے ان کے پاس آئے یہ جملہ بولا جاتا ہے: تسور الحائط وہ اس پر چڑھا السور شہر کی فصیل کو کہتے ہیں یہ ہمزہ کے بغیر ہوتی ہے اسی طرح السور ہے یہ سورۃ کی جمع ہے جس طرح بسرۃ کی جمع بسر آتی ہے یہ تعمیر کی ہر منزل کو کہتے ہیں اسی سے سورۃ القرآن ہے کیونکہ یہ بھی ایک منزل کے بعد دوسری منزل ہوتی ہے جو دوسری سے الگ ہوتی ہے اس کی وضاحت کتاب کے مقدمہ میں گزر چکی ہے۔ نابغہ کا قول ہے:

ألم تر أنّ الله أعطاك سُورَةً ترى كُلَّ مَلْكٍ دونها يتذبذب

کیا تو نہیں دیکھتا کہ اللہ تعالیٰ نے تجھے مرتبہ عطا کیا ہے تو ہر بادشاہ کو اس مرتبہ سے نیچے متذبذب دیکھے گا۔

اس شعر میں سورۃ سے مراد شرف اور منزلت ہے۔

جہاں تک اس سؤر کا تعلق ہے جو ہمزہ کے ساتھ ہے اس سے مراد برتن میں بچا کچا کھانا ہے۔

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 85

ابن عربی نے کہا: فارسی زبان میں سؤر سے مراد ولیمہ ہے حدیث طیبہ میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے غزوہ احزاب کے موقع پر کہا تھا: ان جابرا قد صنع لکم سؤرا فحی ھلا بکم (1)۔

یہاں محراب سے مراد کمرہ ہے کیونکہ وہ کمرہ میں ہی ان کے پاس آئے تھے؛ یہ یحییٰ بن سلام کا قول ہے۔ ابو عبیدہ نے کہا: اس سے مراد صدر مجلس ہے؛ اسی معنی میں مسجد کا محراب ہوتا ہے۔ یہ بحث کئی مواقع پر گزر چکی ہے۔

مسئلہ نمبر 2۔ اِذْ دَخَلُوْا عَلٰى دَاوٗدَ یہاں اذ دو دفعہ آیا ہے کیونکہ یہ دونوں فعل ہیں۔ فراء نے گمان کیا ہے کہ ان دونوں میں سے ایک لما کے معنی میں ہے دوسرا قول یہ ہے کہ دوسرا اذا اپنے مابعد سے مل کر اپنے ماقبل کا بیان ہوگا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ وہ دونوں انسان تھے؛ یہ نقاش کا قول ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ دو فرشتے تھے؛ یہ ایک جماعت کا قول ہے۔

ایک جماعت نے ان دونوں کو معین کیا ہے انہوں نے کہا: وہ حضرت جبریل اور حضرت میکائیل علیہما السلام ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ دو فرشتے تھے جو دو انسانوں کی صورت میں تھے اللہ تعالیٰ نے دونوں، حضرت داؤد علیہ السلام کی عبادت کے روز، ان کے پاس بھیجے تھے نگہبانوں نے اندر جانے سے انہیں روکا تھا تو وہ دیوار کے اوپر سے ان کے پاس حاضر ہوگئے جبکہ حضرت داؤد علیہ السلام کو محسوس تک نہ ہوا کیونکہ وہ نماز پڑھ رہے تھے وہ دونوں ان کے سامنے بیٹھ گئے اللہ تعالیٰ کا فرمان: وَ هَلْ اَتٰىكَ نَبَؤُا الْخَصْمِ ۘ اِذْ تَسَوَّرُوا الْمِحْرَابَ ﴿۲۱﴾ کا بھی یہی مطلب ہے یعنی وہ اوپر چڑھے اور عبادت والے کمرے کے اوپر سے نیچے اترے؛ یہ سفیان ثوری اور دوسرے علماء نے کہا۔

اس کا سبب وہ ہے جو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کیا ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام نے اپنے دل میں سوچا کہ وہ اپنا بچاؤ کرلیں گے اگر انہیں آزمائش میں ڈالا گیا تو انہیں کہا گیا: تجھے آزمایا جائے گا تو اس دن کو بھی جان لے گا جس میں تجھے آزمایا جانا ہے تو اپنی احتیاط کرلینا۔ حضرت داؤد علیہ السلام نے زبور لی، عبادت گاہ میں داخل ہوئے اور کسی کو بھی اندر داخل ہونے سے منع کر دیا اسی اثنا میں کہ وہ زبور پڑھ رہے تھے کہ ان کے پاس ایک پرندہ آیا جو پرندوں میں سے حسین ترین تھا وہ پرندہ آہستہ آہستہ قریب ہونے لگا حضرت داؤد علیہ السلام نے ارادہ کیا کہ وہ اس پرندے کو پکڑ لیں وہ مزید آگے ہوا یہاں تک کہ وہ عبادت گاہ کے روشن دان میں جا گرا حضرت داؤد علیہ السلام اس کے قریب ہوئے تاکہ اسے پکڑ لیں تو وہ اڑ گیا آپ جھانکے تاکہ اس پرندے کو دیکھیں تو آپ کی نظر ایک عورت پر جا پڑی جو غسل کر رہی تھی جب عورت نے حضرت داؤد علیہ السلام کو دیکھا تو اپنے جسم کو اپنے بالوں سے ڈھانپ لیا۔ سدی نے کہا: وہ عورت آپ کے دل میں گھر کر گئی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اس کا خاوند اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والا غازی تھا جس کا نام اوریا بن حنان تھا حضرت داؤد علیہ السلام نے مجاہدین کے امیر کو خط لکھا کہ وہ اس کے خاوند کو تابوت اٹھانے والوں میں معین کرے تابوت اٹھانے والوں کو یا تو اللہ تعالیٰ فتح عطا کرتا ہے یا وہ قتل ہو جاتے ہیں امیر نے اسے آگے رکھا تو وہ قتل ہو گیا جب اس عورت کی عدت ختم ہو گئی تو حضرت داؤد علیہ السلام نے اسے دعوت نکاح دی، اس عورت نے یہ شرط لگائی: اگر اس کا لڑکا ہوا تو وہ حضرت داؤد علیہ السلام کے بعد ان کا

1۔ دلائل النبوۃ، باب ما ظھر فی الطعام، جلد 3، صفحہ 426

خلیفہ ہوگا اس نے اس بارے میں باقاعدہ تحریر لکھی اور بنی اسرائیل کے پچاس آدمیوں کو گواہ بنایا تھوڑا وقت بھی نہ گذرا تھا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی ولادت ہوئی اور وہ جوان ہو گئے اور دو فرشتے دیوار پھلانگ کر داخل ہوئے ان دونوں کا وہی واقعہ ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں بیان کیا ہے؛ ماوردی اور دوسرے علماء نے اسے ذکر کیا وہ صحیح (1) نہیں۔ ابن عربی نے کہا: جو کچھ اس بارے میں ذکر کیا گیا ہے ان میں سے یہ مناسب ترین ہے۔

میں کہتا ہوں ترمذی حکیم نے نوادر الاصول میں اس کی ہم معنی مرفوع روایت نقل کی ہے وہ یزید رقاشی سے مروی ہے کہ اس نے حضرت انس بن مالک کو کہتے ہوئے سنا کہا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام نے جب اس عورت کو دیکھا اور اس سے محبت کرنے لگے تو آپ نے بنی اسرائیل کو ایک لشکر تیار کرنے کا حکم دیا اور امیر لشکر کو حکم دیا جب دشمن حاضر ہوا تو فلاں کو دشمن کے قریب معین کرنا اس آدمی کا نام بھیجا امیر نے اسے تابوت کے قریب معین کیا (2)۔

اس زمانہ میں تابوت کے ذریعے نصرت طلب کی جاتی تھی جسے تابوت کے سامنے رکھا جاتا تو وہ واپس نہیں لوٹتا تھا یہاں تک کہ وہ قتل ہو جائے یا وہ لشکر شکست کھا جائے جس سے وہ برسرپیکار ہے اس آدمی کو آگے رکھا گیا تو اس عورت کا خاوند قتل ہو گیا تو دو فرشتے حضرت داؤد علیہ السلام کے پاس آئے، اور تمام واقعہ بیان کیا۔

سعید نے قتادہ سے روایت نقل کی ہے کہ اس عورت کے خاوند کی طرف خط لکھا جبکہ وہ بلقاء شہر کے قلعہ میں تھا کہ وہ دروازے کا حلقہ پکڑے اس میں موت احمر تھی وہ آگے بڑھا اور قتل ہو گیا۔

ثعلبی نے کہا علماء کی ایک جماعت نے کہا: اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام کا امتحان ایک خطا کے ساتھ لیا کیونکہ ایک روز حضرت داؤد علیہ السلام نے اپنے رب کی بارگاہ میں حضرت ابراہیم، حضرت اسحاق اور حضرت یعقوب علیہم السلام کے مقام و مرتبہ کی تمنا کی عرض کی: اے میرے رب! سب بھلائی میرے آباؤ اجداد لے گئے اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف وحی کی انہیں ایسے امتحان میں ڈالا گیا جیسے امتحان میں کسی اور کو نہ ڈالا گیا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا امتحان نمرود، آگ اور اپنے بیٹے کو ذبح کرنے کی صورت میں لیا گیا حضرت اسحاق علیہ السلام کا امتحان ذبح ہونے کی صورت میں لیا گیا اور حضرت یعقوب علیہ السلام کا امتحان حضرت یوسف علیہ السلام پر غم اور بینائی چلی جانے کی صورت میں لیا گیا تمہارا تو ان میں سے کسی چیز کے

1۔ امام قرطبی نے حضرت داؤد علیہ السلام کے بارے میں جو کچھ ذکر کیا ہے وہ اسرائیلیات میں سے ہے ان کی صحت کا کوئی اعتبار نہیں یہ محض افترا ہے جس طرح امام بیضاوی نے کہا اور یہ روایت ان چیزوں میں سے ہے جو عصمت انبیاء پر قدح کا باعث ہیں ابو حیان نے بہت عمدہ بات کی ہے وہ کہتے ہیں: یہ بات قطعی ہے کہ انبیاء گناہوں سے محفوظ ہیں ان میں سے کوئی چیز انبیاء سے واقع نہیں ہوئی کیونکہ یہ بدیہی بات ہے اگر ہم ان میں سے کسی چیز کو ان پر جائز قرار دیں گے تو شرعی احکام باطل ہو جائیں گے اور جو وہ یہ ذکر کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کی طرف وحی کرتا ہے ہم ان میں سے کسی بات پر بھی اعتماد نہ کر سکیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں جو ذکر کیا ہے ہم اسے اسی پر محمول کریں گے جو اللہ تعالیٰ نے ارادہ کیا ہے اور جو قصہ گو لوگ بیان کرتے ہیں اور ان باتوں میں منصب نبوت کو ملحوظ نہ رکھا گیا ہوگا تو ہم اسے ترک کر دیں گے تحقیق کے مطابق نقاشی کی روایات مطروح ہیں مفسر نے خود بھی بعد میں نحاس کا قول نقل کیا ہے جو ہمارے قول کی تائید کرتا ہے۔

2۔ نوادر الاصول، باب فی ہم الانبیاء الثلاث، صفحہ 186

ساتھ امتحان نہیں لیا گیا۔

حضرت داؤد علیہ السلام نے عرض کی: میرا بھی امتحان لے جس طرح ان کا امتحان لیا اور مجھے بھی وہ مقام عطا کر جو تو نے انہیں مقام عطا کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام کو وحی کی: تیرا فلاں مہینہ میں جمعہ کے روز امتحان ہوگا جب وہ دن آیا تو آپ عبادت گاہ میں چلے گئے دروازہ بند کر لیا نماز پڑھنے لگے اور زبور کی تلاوت کرنے لگے اسی اثنا میں کہ آپ یہ کام کر رہے تھے کہ شیطان نے ان کے لیے سونے کی کبوتری کی صورت اختیار کی اس میں ہر قسم کا خوبصورت رنگ موجود تھا وہ آپ کے قدموں کے ساتھ ٹھہر گئی آپ نے اپنا ہاتھ آگے بڑھایا تاکہ اسے پکڑ لیں اور اپنے چھوٹے بیٹے کو دے دیں وہ تھوڑی دور تک اڑ گئی مگر اپنی ذات سے حضرت داؤد علیہ السلام کو مایوس نہ کیا حضرت داؤد علیہ السلام اس کی طرف بڑھے تاکہ اسے پکڑ لیں تو وہ تھوڑی اور دور چلی گئی حضرت داؤد علیہ السلام اس کے پیچھے ہوئے وہ اڑی یہاں تک کہ وہ روشن دان میں جا گری حضرت داؤد علیہ السلام آگے بڑھے تاکہ اسے پکڑیں تو وہ اڑ گئی حضرت داؤد علیہ السلام کی نظر اس کے پیچھے بلند ہو رہی تھی تاکہ اس کے پیچھے کسی کو بھیجیں جو اسے پکڑ لے تو آپ نے ایک تالاب کے کنارے ایک عورت کو غسل کرتے ہوئے دیکھا؛ یہ کلبی کا قول ہے۔

سدی نے کہا: وہ عورت چھت پر بے لباس غسل کر رہی تھی تو حضرت داؤد علیہ السلام نے اسے بہت خوبصورت پایا اس عورت نے آپ کا سایہ دیکھا تو اس نے اپنے بالوں کو جھاڑا تو اپنے بدن کو ڈھانپ لیا تو حضرت داؤد علیہ السلام کو اور بھی بھلا لگا اس عورت کا خاوند اوریا بن حنان تھا جو ایوب بن صوریا کے ساتھ جنگ میں شامل تھا حضرت ایوب حضرت داؤد علیہ السلام کے بھانجے تھے، حضرت داؤد علیہ السلام نے حضرت ایوب کی طرف خط لکھا کہ اوریا کو فلاں فلاں جگہ متعین کرے ایوب نے اسے تابوت کے سامنے متعین کر دیا۔ جس آدمی کو تابوت کے سامنے متعین کیا جاتا اس کے لیے حلال نہیں ہوتا تھا کہ وہ پیچھے ہٹے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ فتح دے دے یا شہید ہو جائے۔ ایوب نے اسے آگے رکھا تو اسے فتح نصیب ہوئی تو ایوب نے حضرت داؤد علیہ السلام کو تمام حالات لکھ بھیجے۔

کلبی نے کہا: اوریا حضرت داؤد علیہ السلام کے زمانہ میں زمین میں اللہ تعالیٰ کی تلوار تھے جب وہ کوئی وار کرتے اور اللہ اکبر کہتے تو حضرت جبریل ان کی دائیں جانب اور حضرت میکائیل ان کی بائیں جانب اللہ اکبر کہتے اور اس کی تکبیر کی وجہ سے آسمان کے فرشتے بھی اللہ اکبر کہتے یہاں تک کہ یہ سلسلہ عرش تک جا پہنچتا تو عرش کے فرشتے اس کی تکبیر سے اللہ اکبر کہتے اللہ تعالیٰ کی تلواریں تین تھیں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں کالب بن یوفنا، حضرت داؤد علیہ السلام کے زمانہ میں اوریا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ۔

جب ایوب نے حضرت داؤد علیہ السلام کو خط لکھا کہ اللہ تعالیٰ نے اوریا کے ہاتھ پر فتح نصیب فرمائی ہے تو حضرت داؤد علیہ السلام نے ایوب کو خط لکھا کہ اسے فلاں لشکر میں بھیج دو اور تابوت کے آگے متعین کرو اللہ تعالیٰ نے اس مہم میں بھی آپ کو فتح عطا فرمائی اور تیسری دفعہ وہ شہید ہو گیا۔ حضرت داؤد علیہ السلام نے اس کی بیوی سے عدت ختم ہونے کے بعد شادی کر لی یہی حضرت سلیمان علیہ السلام کی والدہ تھی۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام کے امتحان کا سبب یہ تھا کہ انہوں نے دل میں سوچا کہ وہ ایک دن بغیر کوئی چیز کھائے گذار سکتے ہیں۔ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے کہا: حضرت داؤد علیہ السلام نے اپنے وقت کو چار حصوں میں تقسیم کر رکھا تھا، ایک حصہ عورتوں کے لیے، ایک حصہ عبادت کے لیے، ایک حصہ بنی اسرائیل کے لیے وہ آپ کے ساتھ مذاکرہ کرتے اور آپ ان کے ساتھ مذاکرہ کرتے وہ آپ کو رلاتے اور آپ ان کو رلاتے تھے اور ایک حصہ فیصلوں کے لیے۔ بنی اسرائیل نے آپ سے گفتگو کی: کیا انسان پر کوئی ایسا دن بھی گذر سکتا ہے جس میں کوئی گناہ نہ کرے حضرت داؤد علیہ السلام نے دل میں خیال کیا کہ وہ اس کی طاقت رکھتے ہیں آپ نے عبادت والے دن دروازہ بند کر لیا اور حکم دیا کہ آج ان کی خدمت میں کوئی حاضر نہ ہو آپ نے زبور کی تلاوت مین اپنی توجہات مذکور کرلیں تو سونے کی ایک چڑیا آپ کے سامنے گری اور اسی طرح کا واقعہ ذکر کیا جو پہلے مذکور ہو چکا ہے ہمارے علماء نے کہا ہے: اس میں یہ دلیل ہے (2) کہ حاکم پر کوئی لازم نہیں کہ ہر روز وہ لوگوں کے لیے متعین کرے اور انسان کے لیے یہ بھی ضروری نہیں کہ وہ اپنی بیویوں سے وطی کرنا ترک کرے اگرچہ وہ عبادت میں مشغول ہو۔ سورۃ النساء میں یہ بحث پہلے گذر چکی ہے۔ کعب الاحبار نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں آپ کی موجودگی میں اسی امر کا فیصلہ کیا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبد اللہ بن عمرو سے فرمایا: ان لزوجك عليك حقا بے شک بیوی کا بھی تجھ پر حق ہے۔ حضرت حسن بصری اور مجاہد نے کہا: حضرت داؤد علیہ السلام نے بنی اسرائیل سے کہا جب انہیں خلیفہ بنایا گیا اللہ کی قسم! میں تمہارے درمیان عدل کروں گا اور انشاء اللہ نہ کہا تو اس وجہ سے آپ کو آزمائش میں ڈالا گیا۔ ابو بکر وراق نے کہا حضرت داؤد علیہ السلام بہت زیادہ عبادت کیا کرتے تھے اس وجہ سے انہوں نے اپنے آپ پر عجب کا اظہار کیا اور کہا: کیا زمین میں کوئی ایسا بھی ہے جو مجھ جیسا عمل کرتا ہو۔ اللہ تعالیٰ نے جبریل امین کو ان کی طرف بھیجا فرمایا اللہ تعالیٰ تجھے فرماتا ہے: تو نے اپنی عبادت پر عجب کا اظہار کیا ہے عجب عبادت کو یوں کھا جاتا ہے جس طرح آگ لکڑی کو کھا جاتی ہے اگر تو نے دوبارہ عجب کا اظہار کیا تو میں تجھے تیرے نفس کے حوالے کر دوں گا۔ حضرت داؤد علیہ السلام نے عرض کی: اے میرے رب! ایک سال تک مجھے میرے نفس کے حوالے کر دے فرمایا: یہ تو بہت زیادہ عرصہ ہے۔ عرض کی: ایک مہینہ تک مجھے میرے نفس کے حوالے کر دیجئے فرمایا: یہ بھی زیادہ عرصہ ہے عرض کی: ایک دن۔ فرمایا: یہ بھی زیادہ ہے۔ عرض کی: یا رب مجھے ایک ساعت کے لیے میرے نفس کے حوالے کر دیجئے فرمایا: ایک ساعت کے لیے تیرا نفس تیرے حوالے ہے۔ آپ نے معاملہ نگہبانوں کے حوالے کر دیا خود اون کا لباس پہنا اور عبادت گاہ میں داخل ہو گئے زبور اپنے ساتھ رکھ لی اسی اثنا میں کہ وہ عبادت میں مصروف تھے کہ ایک پرندہ آپ کے سامنے آ کر بیٹھ گیا تو عورت کا واقعہ ہوا جو ہوا۔

سفیان ثوری نے کہا: ایک روز حضرت داؤد علیہ السلام نے اپنے رب کے حضور التجا کی اے میرے رب! کوئی دن ایسا نہیں ہوتا مگر داؤد کے خاندان میں سے کوئی فرد روزے سے ہوتا ہے اور کوئی رات نہیں ہوتی مگر آل داؤد میں سے کوئی تیرے حضور قیام کی حالت میں ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کی طرف وحی کی: اے داؤد! یہ تیری وجہ سے ہے یا میری وجہ سے ہے میری عزت کی قسم! میں ضرور تجھے تیرے نفس کے حوالے کر دوں گا۔ حضرت داؤد علیہ السلام نے عرض کی: اے میرے رب!

مجھے معاف فرمادے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: میں ایک سال تک کے لیے تجھے تیرے نفس کے حوالے کر دیتا ہوں عرض کی: نہیں تیری عزت کی قسم! فرمایا: ایک ماہ۔ عرض کی: نہیں تیری عزت کی قسم! فرمایا: ایک ہفتہ، عرض کی: نہیں تیری عزت کی قسم! فرمایا: ایک دن، عرض کی: نہیں تیری عزت کی قسم! ایک گھنٹہ، عرض کی: نہیں تیری عزت کی قسم! فرمایا: ایک لحظہ، شیطان نے کہا: ایک لحظہ کی کیا حیثیت ہے؟ عرض کی: ایک لحظہ کے لیے مجھے میرے نفس کے حوالے کر دیجئے۔ اللہ تعالیٰ نے ایک لحظہ کے لیے اسے اس کے نفس کے سپرد کر دیا اسے کہا گیا: فلاں دن فلاں وقت میں جب وہ دن آیا تو آپ نے وہ دن عبادت کے لیے خاص کر دیا آپ نے نگہبانوں کو اس مکان کے اردگرد متعین کر دیا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ ان کی تعداد چار ہزار تھی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ وہ تیس ہزار یا تینتیس ہزار تھے۔ اپنے رب کی عبادت کے لیے خلوت گزیں ہو گئے اور اپنے سامنے زبور کو پھیلا دیا ایک کبوتری آئی اور آپ پر آ گری تو اس لمحہ اس عورت کا معاملہ ہوا جو ہوا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کی ولادت کے بعد اللہ تعالیٰ نے دو فرشتے ان کی طرف بھیجے ان دونوں نے انبیاء کی مثال پیش کی جب مثال کو سنا تو اپنی خطا یاد آئی حتیٰ کہ چالیس راتوں تک سجدہ ریز رہے جس کا ذکر بعد میں آنے والا ہے۔

مسئلہ نمبر 3۔ فَفَزِعَ مِنْهُمْ آپ ان سے گھبرا گئے کیونکہ دونوں رات کے وقت اس وقت داخل ہوئے جس وقت جھگڑے والے لوگ داخل نہیں ہوتے تھے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: آپ اس لیے گھبرائے تھے کیونکہ وہ بغیر اجازت کے داخل ہوئے تھے ایک قول یہ کیا گیا ہے: کیونکہ وہ عبادت گاہ میں حضرت داؤد علیہ السلام کی خدمت میں دیوار پھلانگ کر آئے تھے وہ دروازے سے داخل نہ ہوئے تھے۔

ابن عربی نے کہا: حضرت داؤد علیہ السلام کا عبادت خانہ اوپر چڑھ کر داخل ہونے سے محفوظ تھا کیونکہ آدمی کسی حیلہ سے بھی اوپر نہیں چڑھ سکتا تھا مگر اس صورت میں کہ وہ کئی دنوں یا کئی مہینوں تک اس کے لیے تگ ودو کرتا جبکہ اس کے ساتھ کئی مددگار بھی ہوں اور مختلف انواع کے آلات ہوں۔ اگر ہم کہیں کہ وہ محراب کے دروازے سے اس تک پہنچے ہیں تو اللہ تعالیٰ اس کے بارے میں خبر دینے کے لیے یہ ارشاد نہ فرماتا تَسَوَّرُوا الْمِحْرَابَ کیونکہ جو آدمی سیڑھی کی جانب سے اور نیچے کی جانب سے اوپر آئے تو اس کے لیے تسور المحراب و الغرفۃ کا لفظ استعمال نہیں کرتے مگر بطور مجاز ایسا کہا جا سکتا ہے جب تو روشن دان کو دیکھے جس سے دو جھگڑا کرنے والے داخل ہوں تو تجھے قطعی طور پر علم ہو جائے گا کہ وہ دونوں فرشتے ہیں کیونکہ وہ بلند ہوتا ہے اور وہاں تک کوئی عالم بالا کا مکین ہی پہنچ سکتا ہے۔ ثعلبی نے کہا ایک قول یہ کیا گیا ہے: داخل ہونے والے بنی اسرائیل میں سے دو حقیقی بھائی تھے۔ جب حضرت داؤد علیہ السلام نے ان دونوں کے درمیان فیصلہ کر دیا تو ایک فرشتہ نے کہا: اے داؤد! تو نے اپنے بارے میں یہ فیصلہ کیوں نہ کیا۔ پہلی تعبیر زیادہ اچھی ہے کہ وہ دونوں فرشتے تھے دونوں نے حضرت داؤد علیہ السلام کو اس کے بارے میں آگاہ کر دیا جو حضرت داؤد علیہ السلام نے کیا تھا۔

میں کہتا ہوں: اکثر اہل تاویل نے بھی یہی کہا ہے۔ اگر یہ سوال کیا جائے۔ یہ کہنا کیسے جائز ہو سکتا ہے کہ وہ فرشتے کہیں: خَصْمٰنِ بَغٰى بَعْضُنَا عَلٰى بَعْضٍ یہ تو سراسر جھوٹ ہے اور فرشتے اس قسم کے جھوٹ سے منزہ ہیں۔

اسکا جواب یہ ہوگا: کلام میں تقدیر ضروری ہے گویا دونوں نے کہا: قدرنا کأننا خصمان بغی بعضنا علی بعض ہمارے بارے میں مقدر کیجئے گویا ہم دو جھگڑا کرنے والے ہیں ہم میں سے ایک نے دوسرے پر بغاوت کی ہے۔ اسی معنی پر ان دونوں کے قول کو محمول کیا جائے گا اِنَّ هٰذَآ اَخِيْ ۫ لَهٗ تِسْعٌ وَّتِسْعُوْنَ نَعْجَةً کیونکہ یہ اگرچہ خبر کی صورت میں تھا مگر مقصود تقدیر میں لانا تھا تا کہ حضرت داؤد علیہ السلام نے جو کچھ کیا اس پر انہیں آگاہ کیا جائے۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

مسئلہ نمبر 4۔ اگر یہ سوال کیا جائے: حضرت داؤد علیہ السلام کیوں گھبرائے جبکہ وہ نبی تھے جبکہ ان کا نفس نبوت کے ساتھ قوی ہو گیا تھا اور وحی کی وجہ سے مطمئن تھا اور اللہ تعالیٰ نے جو مقام و مرتبہ آپ کو عطا کیا تھا اس پر پورا بھروسہ تھا آپ کے ہاتھوں کئی معجزات ظاہر فرمائے تھے اور شجاعت میں بڑے مقام و مرتبہ پر فائز تھے؟

اسے جواب دیا جائے گا: ان سے قبل کے انبیاء کا طریقہ بھی یہی تھا وہ قتل اور اذیت سے محفوظ نہ تھے جبکہ حضرت داؤد علیہ السلام تو ان سے خوفزدہ ہوئے تھے کیا تم حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام کو نہیں دیکھتے دونوں نے کیسے کہا اِنَّنَا نَخَافُ اَنْ يَّفْرُطَ عَلَيْنَآ اَوْ اَنْ يَّطْغٰى ۝ (طٰہٰ) تو اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: لَا تَخَفْ (ہود: 70) فرشتوں نے حضرت لوط علیہ السلام کو فرمایا: اِنَّا رُسُلُ رَبِّكَ لَنْ يَّصِلُوْٓا اِلَيْكَ (ہود: 81) اسی طرح دو فرشتوں نے یہاں کہا لَا تَخَفْ محمد بن اسحاق نے کہا: اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف دو فرشتوں کو بھیجا جو آپس میں جھگڑ رہے تھے جبکہ آپ اپنے عبادت خانہ میں مصروف عبادت تھے ایک ایسی مثال جو اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے اور اوریا کے لیے بیان فرمائی آپ نے دونوں کو اپنے پاس کھڑے ہوئے دیکھا پوچھا کونسی چیز تمہیں میرے پاس لے آئی؟ دونوں نے کہا لَا تَخَفْ ۚ خَصْمٰنِ بَغٰى بَعْضُنَا عَلٰى بَعْضٍ ہم تیرے پاس اس لیے آئے ہیں تا کہ آپ ہمارے درمیان فیصلہ کریں۔

مسئلہ نمبر 5۔ ابن عربی نے کہا: اگر یہ سوال کیا جائے آپ نے دونوں کو نکل جانے کا حکم کیوں نہ دیا جبکہ آپ نے آنے کا مدعا جان لیا تھا ان دونوں کو ادب کیوں نہ سکھایا جبکہ دونوں اجازت کے بغیر داخل ہوئے تھے؟۔

اس کا جواب چار طریقوں سے دیا جا سکتا ہے: (1) ہم نہیں جانتے کہ حجاب اور اذن کے کیا احکام تھے جواب اسی کے مطابق ہوگا جیسے احکام ہونگے ہماری شریعت کے آغاز میں اسکے بارے میں واضح احکام موجود نہ تھے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں واضح کیا۔ (2) اگر ہم حجاب کے احکام پر جواب دینا چاہیں تو یہ احتمال موجود ہے کہ وقتی گھبراہٹ نے آپ کو اس چیز سے غافل کر دیا ہو جو امر اس بارے میں آپ پر واجب تھا۔ (3) آپ نے ارادہ کیا کہ آپ ان کی پوری گفتگو سن لیں جس وجہ سے وہ دونوں داخل ہوئے تھے یہاں تک کہ اس کی حقیقت سے آپ آگاہ ہو جائیں اور یہ دیکھ لیں کہ کیا بغیر اجازت کے داخل ہونا لازم آتا ہے یا کہ نہیں، کیا اس کے ساتھ ساتھ کوئی عذر بھی ہوا ہے یا ان کے لیے کوئی عذر نہیں آخری صورت حال یہ ظاہر ہوئی کہ یہ تو محض آزمائش اور امتحان تھا اور مثال تھی جو اللہ تعالیٰ نے قصہ میں بیان کرنا چاہی اور یہ ایک ادب تھا جو دعویٰ عصمت واقع ہوا تھا۔ (4) یہ احتمال موجود ہے کہ یہ مسجد میں ہوا ہو اور مسجد میں داخل ہوتے وقت اجازت لینے کی کوئی ضرورت نہیں ہوتی کیونکہ اس میں کسی کو روکنا جائز نہیں۔

میں کہتا ہوں: یہ پانچواں قول ہے جسے قشیری نے ذکر کیا ہے وہ یہ ہے کہ دونوں نے کہا: جب پہرے داروں نے ہمیں اجازت نہ دی تو ہم دیواریں پھلانگ کر پہنچ گئے اور ہمیں ڈر تھا کہ معاملہ ہمارے درمیان سر پٹول کا باعث بن جائے گا حضرت داؤد علیہ السلام نے اس عذر کو قبول کیا اور ان کے قول کی طرف توجہ کی۔

مسئلہ نمبر 6۔ خَصْمٰنِ اگر یہ سوال کیا جائے کہ خَصْمٰنِ کیسے فرمایا جبکہ اس سے قبل فرمایا تھا اِذْ تَسَوَّرُوا الْمِحْرَابَ۝ ایک قول یہ کیا گیا ہے: تو دو بھی جمع ہے۔ خلیل نے کہا: جس طرح تو کہتا ہے: نحن فعلنا جب تم دو ہوتے ہو۔ کسائی نے کہا: جب خبر تھی تو جمع کا ذکر کیا جب خبر ختم ہو گئی اور مخاطبہ شروع ہوا تو دونوں نے اپنے بارے میں خبر دی تو کہا : خَصْمٰنِ زجاج نے کہا: اس کا معنی ہے نحن خصمان دوسرے علماء نے کہا: قول محذوف ہے تقدیر کلام یہ ہوگی یقول خصمان بغی بعضنا علی بعض۔ کسائی نے کہا: اگر کلام یوں ہو بغی بعضهما علی بعض تو یہ بھی جائز ہوتا۔ ماوردی نے کہا: دونوں فرشتے تھے وہ نہ جھگڑا کرنے والے تھے اور نہ ہی باغی تھے اور نہ ہی ان سے کوئی جھوٹی بات واقع ہوئی تھی (1)۔ تقدیر کلام یوں ہوگی: إن أتاك خصمان قالا بغی بعضنا علی بعض۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ تقدیر کلام یوں ہے نحن فریقان من الخصوم بغی بعضنا علی بعض اس بنا پر یہ احتمال موجود ہے کہ خصومت دو افراد کے درمیان ہو اور ہر ایک کے ساتھ ایک جمعیت ہو۔ یہ احتمال بھی موجود ہے ایک فریق کے ہر ایک فرد کی دوسرے فریق کے ہر ایک آدمی کے ساتھ خصومت ہو وہ اپنی اپنی خصومتوں کے لیے حاضر ہوئے ہوں لیکن ان میں سے دو افراد نے آغاز کیا ہو اور حضرت داؤد علیہ السلام نکاح کے ذکر سے تمام قصہ سے آگاہ ہو گئے ہیں اور اس چیز نے انہیں دوسری خصومات سے مستغنی کر دیا ہے۔ بغی کا معنی تعدی کرنا اور فریضہ سے نکلنا ہے یہ جملہ کہا جاتا ہے بغی الجرح۔ جب درد بڑھ جائے اور بہت بڑا ہو جائے اسی سے ایک جملہ بولا جاتا ہے: بغت المرأۃ۔ جب وہ بدکاری کا ارتکاب کرے۔

مسئلہ نمبر 7۔ فَاحْكُمْ بَيْنَنَا بِالْحَقِّ وَلَا تُشْطِطْ یعنی ناانصافی نہ کیجئے؛ یہ سدی نے کہا ہے۔ ابو عبید نے کہا: شططت علیه واشططت۔ میں نے اس پر ظلم کیا۔ تمیم داری کی حدیث میں ہے انك لشاطي یعنی تو حکم میں مجھ پر ظلم کرنے والا ہے۔ قتادہ نے کہا: معنی ہے تو مائل نہ ہو۔ اخفش نے کہا: آپ اسراف سے کام نہ لیں۔ ایک قول یہ کیا گیا: آپ افراط سے کام نہ لیں۔ معنی قریب قریب ہے۔ اس کا اصل معنی دور ہونا ہے یہ شَطَّتِ الدار سے ماخوذ ہے یعنی گھر دور ہے شطت الدار تشِط، تشَط شطا و شطوطا گھر دور ہے اشط فی القضیته۔ اس نے فیصلہ میں ظلم کیا اشط فی السوم واشتط۔ بھاؤ لگانے میں بہت دور چلا گیا۔ اشطوا فی طلبی انہوں نے میری طلب میں بہت کوشش کی۔ ابو عمرو نے کہا شطط کا معنی ہے ہر شے میں حد سے بڑھنا حدیث طیبہ میں ہے لها مهر مثلها لا وکس ولا شطط اس کے لیے مہر مثل ہے نہ کم نہ زیادہ۔ قرآن حکیم میں ہے: لَقَدْ قُلْنَآ اِذًا شَطَطًا۝ (الکہف) یعنی ہم نے ظلم کیا اور حق سے بہت بعید بات کی اور ہماری سیدھے راستہ کی طرف راہنمائی فرما۔ سواء الصراط سے مراد قصد السبیل ہے۔

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 86

مسئلہ نمبر 8۔ اس فرشتہ نے کہا جس نے اوریا کی جانب سے گفتگو کی: یہ میرا دینی بھائی ہے اور مدعی علیہ کی طرف اشارہ کیا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ اخی سے مراد میرا ساتھی ہے۔ حضرت حسن بصری نے تسع و تسعون پڑھا ہے۔ یہ شاذ لغت ہے۔ حضرت حسن بصری کی قراءت میں یہی صحیح ہے: یہی نحاس نے کہا ہے۔ عرب عورت کو کفایۃ، نعجۃ اور شاۃ سے تعبیر کرتے ہیں کیونکہ اس میں سکون، عجز اور کمزوری پائی جاتی ہے بعض اوقات اسے بقرہ، حجرہ اور ناقہ سے تعبیر کرتے ہیں کیونکہ یہ سب سواریاں ہیں۔ ابن عون نے اسی حوالے سے کہا:

أنا أبوهن ثلاثٌ هُنَّهْ　　رابعةٌ في البيت صُغْرا هُنَّهْ
ونعجتي خمسا تُوفِّيهِنَّهْ　　ألا فتًى سمْحٌ يُغذِّيهِنَّهْ
طَيُّ النَّقَا في الجوع يَطْوِيهِنَّهْ　　ويلُ الرَّغيفِ ويلَهُ مِنْهُنَّهْ

عنترہ نے کہا:

يَا شَاةَ مَاقَنَصٍ لِمَن حَلَّتْ لَهُ　　حَرُمَتْ عليَّ وليتَها لم تَحْرُمِ
فَبَعَثْتُ جاريتي فقلتُ لها اذْهَبِي　　فَتَجَسَّسِي أخبارَها لي وَاعْلَمِ
قَالَتْ رَأَيْتُ مِنَ الأعادي غِرَّةً　　والشَّاةُ مُمْكِنَةٌ لمن هو مُرْتَمِ
فَكَأَنَّمَا الْتَفَتَتْ بِجِيدِ جِدَايَةٍ　　رَشَاءٍ مِنَ الغِزْلَانِ حُرٍّ أَرْثَمِ

ایک اور شاعر نے کہا:

فَرَمَيْتُ غَفْلَةَ عَيْنِهِ عَنْ شَاتِهِ　　فَأَصَبْتُ حَبَّةَ قَلْبِهَا وطِحَالَهَا(1)

میں نے اس کی آنکھ کو اپنے بیوی سے غافل پایا تو میں اس کے دل کے نقطہ اور اس کی تلی تک جا پہنچا۔

یہ بہت ہی اچھی تعریض ہے کہ عورتوں کو دنبیوں سے تعبیر کیا۔ حسین بن فضل نے کہا: یہ دونوں فرشتوں کی جانب سے تعریض اور تنبیہ ہے جس طرح ان کا قول ہے ضرب زید عمروا جبکہ وہاں مارنے کا کوئی تصور نہ تھا جبکہ وہاں دنبیاں حقیقت میں نہ تھیں گویا یوں کہا: نحن خصمان هذه حالنا ہم دو جھگڑا کرنے والے ہیں یہ ہماری حالت ہے۔ ابو جعفر نحاس نے کہا: اس کے بارے میں جو بہترین گفتگو کی جاتی ہے وہ یہ ہے کہ دو جھگڑا کرنے والے کہتے ہیں: ہم میں سے ایک نے دوسرے پر زیادتی کی ہے یہ سوال کے انداز میں تھا جس طرح تو کہتا ہے: ایک آدمی ہے جو عورت کو یہ کہتا ہے تو اس مرد پر کیا چیز واجب ہوئی؟

میں کہتا ہوں: امام شافعی کے ایک مقلد المزنی نے اس آیت اور ابن شہاب سے مروی حدیث جو موطا امام مالک میں ہے هولك يا عبدُ بن زَمْعَةَ کی تاویل ایک جیسی کی ہے۔ مزنی نے کہا: میرے نزدیک اس حدیث کا یہ احتمال ہے اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سوال کا جواب دیا اور انہیں حکم سے آگاہ کیا کہ یہ حکم اس وقت ہوگا جب ایک آدمی صاحب فراش ہونے اور دوسرا بدکار ہونے کا دعویٰ کرے نہ کہ اس کا یہ مطلب ہے کہ آپ نے عتبہ کے خلاف سعد کا قول قبول کیا اور نہ

1۔ المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 500

ہی زمعہ کے خلاف اس کا قول قبول کیا کہ وہ ولد زنا ہے کیونکہ ان دونوں میں سے ہر ایک نے ایک اور شخص کے بارے میں خبر دی تھی۔ تمام مسلمانوں کا اس پر اجماع ہے کہ کسی ایک آدمی کا اقرار کسی دوسرے فرد کے خلاف قبول نہ کیا جائے گا۔

اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں حضرت داؤد اور فرشتوں کے قصہ میں اسی کی مثل ذکر کیا ہے جب وہ آپ کے پاس آئے تو حضرت داؤد علیہ السلام ان کو دیکھ کر گھبرا گئے انہوں نے کہا: خوف زدہ نہ ہوں وہ جھگڑا کرنے والے ہیں، جبکہ وہ جھگڑا کرنے والے نہ تھے نہ ان میں سے ایک کی ننانوے دنبیاں تھیں لیکن انہوں نے ایک مسئلہ کے بارے میں گفتگو کی تا کہ وہ پہچان لیں جس کی پہچان کرانے کا انہوں نے ارادہ کیا تھا۔

یہ احتمال بھی موجود ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس قصہ میں سوال کے بارے میں حکم لگایا ہو اگرچہ کوئی ایک آدمی بھی ایسا نہیں جو حدیث میں اس تاویل پر میری موافقت کرتا ہو کیونکہ میرے نزدیک یہ صحیح ہے۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

مسئلہ نمبر 9۔ نحاس نے کہا: حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی قراءت میں ہے اِنَّ هٰذَآ اَخِيْ لَهٗ تِسْعٌ وَّتِسْعُوْنَ نَعْجَةً انثی اس آیت میں کان اسی طرح ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں ہے: وَ كَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا (النساء) جہاں تک اس آیت میں انثی کا تعلق ہے تو یہ تاکید کے لیے ہے جس طرح یوں کہا جاتا ہے: ھو رجل ذکر یہ بھی تاکید ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: جب یہ کہا جائے هذہ مأة نعجة اگرچہ ان میں کچھ تھوڑے سے مذکر بھی ہوں تو یہ کہنا جائز ہوگا، انثی تا کہ یہ معلوم ہو کہ ان میں کوئی بھی مذکر نہیں تفسیر میں ہے اس کی ننانوے بیویاں ہیں۔ ابن عربی نے کہا: اگر وہ ساری آزاد ہوں تو یہ انکا شرعی حکم ہوگا اگر وہ لونڈیاں ہوں تو یہ ہماری شریعت میں بھی جائز ہے ظاہر بات یہ ہے کہ ہم سے قبل شریعتوں میں یہ حکم کسی عدد میں محصور نہ تھا یہ صرف حضرت محمد مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثناء کی شریعت میں ہے کیونکہ بدن کمزور ہیں اور عمریں کم ہیں۔

قشیری نے کہا: یہ بھی جائز ہے یہ معین عدد نہ ہو بلکہ مقصود ضرب المثل ہو جس طرح تو کہتا ہے: لو جئتنی مأة مرة لم أقض حاجتك مراد ہے اگر آپ کئی دفعہ آئیں تو تب بھی میں تمہارا کام نہ کروں گا۔

ابن عربی نے کہا: ایک مفسر نے کہا حضرت داؤد علیہ السلام کی سو بیویاں نہ تھیں یہ ننانوے کا ذکر بطور مثال ہے معنی ہے یہ بیوی سے غنی ہے اور میں بیوی کا محتاج ہوں یہ دو وجوہ سے فاسد ہے: (1) بغیر دلیل کے ظاہر معنی سے عدل کسی بھی حوالے سے درست نہیں اور ایسی کوئی دلیل نہیں جو اس امر پر دلالت کرتی ہو کہ ہم سے قبل کی شریعتیں عورتوں کی تعداد کے بارے میں مخصوص حکم دیتی ہوں جس طرح ہماری شریعت میں ہے۔ (2) امام بخاری اور دوسرے محدثین نے یہ روایت نقل کی ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے کہا میں آج رات سو عورتوں پر چکر لگاؤں گا ہر عورت سے ایک بچہ پیدا ہوگا جو اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرے گا اور ان شاء اللہ کہنا بھول گئے۔

مسئلہ نمبر 10۔ وَّلِيَ نَعْجَةٌ وَّاحِدَةٌ یعنی میری ایک بیوی ہے اب اس نے کہا ہے میرے لیے اس سے الگ ہو جا یہاں تک کہ میں اس کی کفالت کروں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: تو یہ مجھے دے دے۔ ان سے یہ بھی مروی ہے: تو میرے لیے اس سے الگ تھلگ ہو جا۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے یہی کہا ہے۔ ابو العالیہ نے کہا: اسے میرے حوالے

کر دے تا کہ میں اس کا کفیل بن جاؤں۔ ابن کیسان نے کہا: اسے میرا حصہ بنا دے۔

وَعَزَّنِیْ وہ مجھ پر غالب آ گیا ہے۔ ضحاک نے کہا: معنی ہے اگر یہ گفتگو کرے تو یہ مجھ سے زیادہ فصیح و بلیغ ہے اگر یہ جنگ کرے تو مجھ سے زیادہ طاقتور ہے یوں کہا جاتا ہے عَزَّہٗ یَعِزُّہٗ عِزًّا۔ اس پر غالب آ گیا۔ ضرب المثل ہے مَنْ عَزَّبَزَّ۔ جو غالب آیا اس نے مال سلب کر لیا اسی سے اسم عزۃ ہے جس کا معنی قوت اور غلبہ ہے۔ شاعر نے کہا:

قَطَاةٌ عَزَّهَا شَرَكٌ فَبَاتَتْ تُجَاذِبُهُ وَقَدْ عَلِقَ الْجَنَاحُ

کونج پر پھندا غالب آ گیا اس نے جال کو کھینچتے ہوئے رات گذاری جبکہ پر جکڑے ہوئے تھے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود اور عبید بن عمیر نے وعازنی فی الخطاب قراءت کی جس کا معنی ہے اس نے مجھ پر غلبہ پایا یہ معازہ سے مشتق ہے جس کا معنی مغالبہ ہے عازہ، اس پر غلبہ پایا۔ ابن عربی نے کہا: غلبہ کے سبب کے بارے میں اختلاف ہے (1)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ اپنے بیان کے ذریعے مجھ پر غالب پا گیا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ اپنی حکومت کی وجہ سے مجھ پر غالب ہے کیونکہ جب یہ اس سے سوال کرے تو وہ اس کی مخالفت کی طاقت نہیں رکھتا۔ ہمارے شہر میں ایک امیر تھا جسے سیر بن ابی بکر کہتے میں نے اس سے گفتگو کی کہ وہ میرے لیے ایک آدمی سے ضرورت کا سوال کرے اس نے مجھے کہا کیا تجھے علم نہیں کہ حاکم کا کسی کام کا مطالبہ اس کا غضب ہوا کرتا ہے میں نے کہا: جب وہ عدل ہو تو وہ غضب نہیں ہوگا میں اس کے عجمی ہونے، ضرب المثل کے یاد کرنے اور اس کی ذہانت پر متعجب ہوا جس طرح وہ میرے جواب سے متعجب ہوا اور اسے غریب جانا۔

مسئلہ نمبر 11۔ قَالَ لَقَدْ ظَلَمَكَ بِسُؤَالِ نَعْجَتِكَ إِلَىٰ نِعَاجِهٖ نحاس نے کہا: یہ کہا جاتا ہے یہ حضرت داؤد علیہ السلام کی خطا تھی کیونکہ آپ نے کہا لَقَدْ ظَلَمَكَ کیونکہ دعویٰ گواہوں سے ثابت نہ ہوا تھا اور نہ ہی خصم کا اقرار ہوا تھا کہ کیا بات اسی طرح ہوئی تھی یا نہ ہوئی تھی۔ یہ ایک بحث ہے۔

اس کے بعد مسئلہ میں اس کی وضاحت آئے گی۔ ان شاء اللہ وہ بہت اچھی گفتگو ہوگی۔ ابو جعفر نحاس نے کہا: جہاں تک ان علماء کے قول کا تعلق ہے جس کے قول کو رد نہیں کیا جا سکتا ان میں سے حضرت عبداللہ بن مسعود اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم ہیں کیونکہ انہوں نے کہا: حضرت داؤد علیہ السلام نے اس سے زیادہ کچھ نہیں کہا کہ میرے لیے اپنی بیوی سے الگ ہو جا۔ ابو جعفر نے کہا: اللہ تعالیٰ نے اس پر ان کو عتاب کیا اور اس پر انہیں متنبہ کیا یہ گناہ کبیرہ نہیں۔ جس نے اس کے علاوہ میں گفتگو کی تو بے شک وہ ایسی بات لاتا ہے جو عالم سے صحیح تصور نہیں کی جا سکتی اور اس کی وجہ سے عظیم گناہ بھی لاحق ہوتا ہے اسی کتاب اعراب قرآن میں کہا: اور اپنی کتاب معانی القرآن میں بھی اسی کی مثل کہا۔ کہا: حضرت داؤد علیہ السلام اور اوریا کے بارے میں جو قصے اور روایات آتی ہیں ان میں سے اکثر صحیح نہیں اور ان کی سند متصل نہیں جب تک ان کی صحت کی پہچان نہ ہو اس جیسی گفتگو پر جرأت نہیں کرنی چاہیے ☆۔

1۔ احکام القرآن لابن العربی، جلد 4، صفحہ 1633

☆ اس واقعہ کے حوالے سے جو بھی روایات مروی ہیں ان کے بارے میں یہی تجزیہ موزوں ہے۔ مترجم

ان روایات میں سے صحیح ترین وہ ہے جسے مسروق نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام نے اس سے زائد کلام نہیں کی اَکْفِلْنِیْهَا یعنی میرے لیے اس سے الگ ہو جا۔ منہال نے حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کی ہے حضرت داؤد علیہ السلام نے اس سے زائد کچھ نہیں کہا اَکْفِلْنِیْهَا یعنی اسے میرے حوالے کر دے اور اسے میرے ساتھ ملا دے (1)۔ ابو جعفر نے کہا: اس بارے میں روایات مروی ہیں ان میں سے سب سے یہ عظیم روایت ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام نے اوریا سے سوال کیا کہ وہ اپنی بیوی کو طلاق دے دے جس طرح ایک آدمی دوسرے آدمی کو کہتا ہے کہ وہ اپنی لونڈی بیچ۔ اسے اللہ تعالیٰ نے اس پر آگاہ کیا اور اس لیے عتاب فرمایا کیونکہ ان کی ننانوے بیویاں تھیں حضرت داؤد علیہ السلام کے لیے یہ مطالبہ اس لیے ناپسند کیا کہ وہ عورتوں میں اضافہ کے ساتھ دنیا میں مشغول ہو جائیں جہاں تک اس کے علاوہ واقعات کا تعلق ہے اس میں جرأت نہیں کرنی چاہیے۔

ابن عربی نے کہا: جہاں تک اس قول کا تعلق ہے جب وہ عورت آپ کو اچھی لگی تو آپ نے اس کے خاوند کے بارے میں حکم دیا کہ جہاد میں اسے آگے رکھا جائے سب باطل ہے (2) کیونکہ حضرت داؤد علیہ السلام محض اپنی ذاتی غرض سے کسی کا خون بہانے والے نہ تھے صورت یہ ہو سکتی ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام نے اپنے کسی ساتھی سے کہا میرے لیے اپنے گھر والے سے لاتعلق ہو جاؤ۔ اور اس بارے میں پختہ عزم کیا جس طرح ایک آدمی دوسرے سے سچی رغبت کے ساتھ کسی ضرورت کا مطالبہ کرتا ہے خواہ وہ ضرورت اہل میں ہو یا مال میں ہو۔

حضرت سعید بن ربیع نے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف سے کہا تھا جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں میں بھائی چارہ قائم کیا تھا میری دو بیویاں ہیں میں تیرے لیے ان میں سے سب سے زیادہ خوبصورت سے الگ ہوتا ہوں تو حضرت عبدالرحمٰن بن عوف نے فرمایا تھا: اللہ تعالیٰ تیرے اہل میں تیرے لیے برکت ڈالے جو فعل ابتداء جائز ہو اس کی طلب بھی جائز ہوتی ہے قرآن حکیم میں ہے کہ ایسی کوئی تصریح نہیں نہ اس کی وضاحت ہے کہ اس مرد کی عصمت کے بعد آپ نے شادی کی ہو نہ یہ تصریح ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی اس عورت سے ولادت ہوئی تھی یہ کس سے روایت کی جاتی ہے اور کس کی سند چلتی ہے کس کی نقل پر اعتماد کیا جاتا ہے کوئی آدمی بھی ثقہ لوگوں سے اسے بیان نہیں کرتا۔

سورت احزاب میں ایک نکتہ ہے جو اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ ایک عورت حضرت داؤد علیہ السلام کی بیوی بنی اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے مَا كَانَ عَلَى النَّبِيِّ مِنْ حَرَجٍ فِيمَا فَرَضَ اللَّهُ لَهُ ۖ سُنَّةَ اللَّهِ فِي الَّذِينَ خَلَوْا مِنْ قَبْلُ (الاحزاب:38) یعنی ایک قول یہ ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام نے ایک ایسی عورت سے شادی کی تھی جس کو آپ نے دیکھا تھا جس طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زینب بنت جحش سے شادی کی مگر حضرت زینب سے شادی اس کے بغیر ہوئی تھی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے زینب کے خاوند سے جدائی کا مطالبہ کیا ہو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت داؤد علیہ السلام پر یہ فضیلت ان فضائل عالیہ کی طرف

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 87
2۔ احکام القرآن لابن العربی، جلد 4، صفحہ 37-1636

منسوب ہے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو حاصل ہیں۔

لیکن یہ بات کی جاسکتی ہے سُنَّةَ اللّٰهِ فِي الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلُ (احزاب:388) کا معنی یہ ہو کہ انبیاء نے ان عورتوں سے مہر کے بغیر شادیاں کی ہوں جنہوں نے اپنے آپ کو انبیاء کے حضور پیش کیا ہو۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے فرمان: سُنَّةَ اللّٰهِ فِي الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلُ سے مراد یہ ہے کہ انبیاء کرام کا وہ طبقہ ہے جو نکاح اور دوسرے معاملات اللہ تعالیٰ کے عائد کردہ فرائض کی بجاآوری میں کرتے ہیں؛ یہ قول صحیح ترین ہے۔

مفسرین نے یہ روایت بیان کی ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام نے سو عورتوں سے شادی کی یہ قرآن کی نص ہے یہ بھی مروی ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی تین سو بیویاں اور سات سو لونڈیاں تھیں۔ تیرا رب خوب جانتا ہے۔

طبری نے احکام میں اللہ تعالیٰ کے فرمان: وَهَلْ اَتٰىكَ نَبَؤُا الْخَصْمِ ۘ اِذْ تَسَوَّرُوا الْمِحْرَابَ ۝ میں بیان کیا ہے، محققین جو انبیاء کے بارے میں گناہ کبیرہ سے پاک ہونے کا اعتقاد رکھتے ہیں، کہ حضرت داؤد علیہ السلام نے ایک ایسی عورت کو دعوت نکاح دی جس کو ایک اور آدمی نے دعوت نکاح دی تھی جو ''اوریا'' تھا اس عورت کے رشتہ داروں نے حضرت داؤد علیہ السلام میں رغبت اور پہلے مرد سے اعراض کی وجہ سے اس عورت کی شادی آپ سے کردی۔ حضرت داؤد علیہ السلام کو اس کا علم نہ تھا آپ کے لیے ممکن تھا کہ آپ اس سے آگاہی حاصل کرتے تو اس رغبت سے اعراض کرتے اور اس رغبت سے اعراض کرتے، اس دعوت نکاح سے اعراض کرتے مگر آپ نے ایسا نہ کیا اس کی وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ وہ عورت آپ کو اچھی لگی تھی یا تو کسی نے اس کے اوصاف بیان کیے تھے یا بغیر ارادہ کے مشاہدہ کیا تھا۔ حضرت داؤد علیہ السلام کی کثیر بیویاں تھیں دوسرے دعوت نکاح دینے والے کی کوئی بیوی نہیں تھی تو اللہ تعالیٰ نے دو فرشتوں کے دیوار پھلانگ کر اندر آنے سے اس امر پر آپ کو آگاہ کیا اور انہوں نے جو مثال بیان کی بطور تعریض حضرت داؤد علیہ السلام کو اس امر پر آگاہ کیا تا کہ اس کے واسطہ سے وہ عتاب کے موقع کو پہچان لیں اور اس طریقہ سے ہٹ جائیں اور اس چھوٹے گناہ سے اپنے رب سے بخشش طلب کریں۔

مسئلہ نمبر 12۔ قَالَ لَقَدْ ظَلَمَكَ بِسُؤَالِ نَعْجَتِكَ اِلٰى نِعَاجِهٖ اس جھگڑے میں ایک فریق کی گفتگو سننے اور دوسرے کی گفتگو سننے سے قبل فتویٰ دے دیا اس قول کا ظاہر مفہوم یہی ہے (1)۔

ابن عربی نے کہا: یہ طریقہ کسی کے نزدیک جائز نہیں، کسی ملت میں جائز نہیں اور کسی بشر کے لیے یہ ممکن نہیں تقدیر کلام یہ ہے دو جھگڑا کرنے والوں میں سے ایک نے دعویٰ کیا اور دوسرے نے دعویٰ کو تسلیم کرلیا تو اس کے بعد فتویٰ واقع ہوا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اذا جلس الیك الخصمان فلا تقض لأحدهما حتی تسمع من الآخر۔ (2) جب تیرے پاس دو جھگڑے والے آئیں تو آپ کسی ایک کے حق میں فیصلہ نہ کریں یہاں تک کہ آپ دوسرے کی بات سنیں۔ ایک قول یہ کیا گیا

1۔ احکام القرآن لابن العربی، جلد 4، صفحہ 1637

2۔ سنن ابی داؤد، باب کیف القضاء، روایت بالمعنی، حدیث نمبر 3111، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

جامع ترمذی، باب ماجاء فی القاضی لا یقضی بین الخصمین، حدیث نمبر 1252، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

ہے: حضرت داؤد علیہ السلام نے دوسرے کے حق میں فیصلہ نہیں کیا یہاں تک کہ دوسرے فریق نے اعتراف نہیں کر لیا (1)۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: تقدیر کلام یہ ہے لقد ظلمك إن كان كذلك اگر معاملہ اس طرح ہے تو اس نے تجھ پر ظلم کیا۔

میں نے کہا: ان دونوں توجیہات کا ذکر قشیری، ماوردی اور دوسرے علماء نے کیا ہے۔ قشیری نے کہا: لَقَدْ ظَلَمَكَ بِسُؤَالِ نَعْجَتِكَ خصم کا کلام سنے بغیر فیصلہ کرنا مشکل ہے۔ یہ کہنا ممکن ہے: آپ نے یہ بات دوسرے فریق کی گفتگو سننے اور اس کے اعتراف کے بعد فیصلہ کیا ہو یہ بیان کیا گیا ہے اگرچہ اس کی روایت ثابت نہیں یہ قرائن حال سے مفہوم ہے۔ یا یہ ارادہ کیا ہو اگر بات اس طرح ہو جس طرح تو کہتا ہے تو اس نے تجھ پر ظلم کیا آپ نے یہ قول کر کے اس کو خاموش کرایا ہو اور اسے صبر کی تلقین کی تا کہ دوسرے فریق سے بات پوچھ لیں۔ کہا: یہ احتمال بھی ہو سکتا ہے کہ کہا جائے ان کا قانون یہ ہو جب مدعی علیہ خاموش ہو جائے تو مدعی کے قول پر اعتماد کیا جائے جب قول کا انکار ظاہر نہ ہو۔

حلیمی ابوعبداللہ نے کتاب منہاج الدین میں کہا: وہ نعمت جس کا انتظار ہو جب وہ حاضر ہو یا پوشیدہ ہو تو ظاہر ہو جائے تو اس کے شکر میں حکم آیا ہے وہ اللہ تعالیٰ کے حضور سجدہ کرنا ہے۔ کہا: اس میں اصل وَ هَلْ اَتٰىكَ نَبَؤُا الْخَصْمِ ۔۔۔ وَ حُسْنَ مَاٰبٍ ۝ ہے اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام کے بارے میں خبر دی آپ نے دو جھگڑا کرنے والوں میں سے مظلوم بننے والے فرد کی گفتگو سنی اور یہ نہیں بتایا کہ آپ نے کسی دوسرے سے سوال کیا یہ بیان کیا کہ اس نے ظلم کیا ہے کلام کا ظاہر یہ ہے کہ آپ نے گفتگو کرنے والے میں کمزوری کی علامات دیکھیں تو آپ نے اس کے معاملہ کو اس بات پر محمول کیا کہ وہ مظلوم ہے جس طرح وہ کہتا ہے اس چیز نے حضرت داؤد علیہ السلام کو اس طرف دعوت دی کہ آپ خصم سے نہ پوچھیں تو آپ نے جلدی کرتے ہوئے اسے کہا: لَقَدْ ظَلَمَكَ جبکہ یہ امکان تھا کہ اگر آپ اس سے پوچھتے تو وہ کہتا: میری سو دنبیاں تھیں اور اس کی کوئی چیز نہ تھی اس نے میری ایک دنبی چوری کی تھی۔ جب میں نے وہ دنبی اس کے پاس پائی تو میں نے اسے کہا: اسے میری طرف لوٹا دو میں نے اسے اَكْفِلْنِيْهَا نہیں کہا اسے علم تھا کہ میں یہ مسئلہ آپ کی بارگاہ میں پیش کروں گا تو قبل اس کے کہ میں اسے آپ کے پاس لاتا یہ مجھے آپ کے پاس کھینچ کر لے آیا ہے اور میرے حاضر کرنے سے پہلے یہ مظلوم بن کر آ گیا ہے تا کہ آپ یہ گمان کریں کہ یہ حق پر ہے اور میں ظالم ہوں جب حضرت داؤد علیہ السلام نے گفتگو کی جس گفتگو پر جلد بازی نے آپ کو مجبور کیا تھا تو انہیں معلوم ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ نے اسی لمحہ اسے اور اس کے نفس کو آزاد چھوڑ دیا تھا وہ وہی آزمائش تھی جس کا ہم نے ذکر کیا اور یہ امر ان کی ایک لغزش سے ہوا تھا تو انہوں نے اپنے رب سے مغفرت طلب کی اور اللہ تعالیٰ کا شکر بجالانے کے لیے سجدہ ریز ہو گئے کہ اس نے انہیں محفوظ رکھا کہ انہوں نے اس آدمی کے بارے میں ظالم ہونے کے قول پر اکتفا کیا اس سے بڑھ کر انہیں جھڑکنا، مارنا وغیرہ کا عمل نہیں کیا جو اس کے مناسب تھا جو دل میں سوچتا ہے کہ واقعی وہ ظالم ہے اگر اللہ تعالیٰ نے اس کی غلطی معاف کر دی پھر عتاب کے انداز میں اس کی طرف توجہ کی فرمایا: يٰدَاوٗدُ اِنَّا جَعَلْنٰكَ خَلِيْفَةً فِي الْاَرْضِ فَاحْكُمْ بَيْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ وَ لَا تَتَّبِعِ الْهَوٰى فَيُضِلَّكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ۔

1۔ المستدرک للحاکم، باب استماع بیان الخصمین واجب علی القاضی، جلد 4، صفحہ 93

اللہ تعالیٰ نے جو نصیحت آموز قصہ بیان کیا جسے مغفرت کے بعد انہوں نے پہچانا تھا کہ خطا حکم میں تقصیر اور اس آدمی کو ظالم قرار دینے میں جلدی کرنے میں تھی جس کا ظلم ان کے نزدیک ثابت نہ تھا پھر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ مروی ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام نے شکر ادا کرتے ہوئے سجدہ کیا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی اتباع میں سجدہ کیا اس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ سجدہ شکر انبیاء علیہم السلام کی سنت متواترہ ہے۔

بِسُؤَالِ نَعْجَتِكَ میں مصدر اپنے مفعول کی طرف مضاف ہے سوال سے ھاء ضمیر کو گرا دیا ہے یہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی طرح ہے: لَا یَسْـَٔمُ الْاِنْسَانُ مِنْ دُعَآءِ الْخَیْرِ (حم السجدہ:49) اس میں یہ دعائہ الخیرتھا۔

مسئلہ نمبر 13۔ وَ اِنَّ كَثِیْرًا مِّنَ الْخُلَطَآءِ، خلیط کی جمع خلطاء ہے مگر طویل کی جمع طولاء نہیں کہتے کیونکہ واؤ پر حرکت ثقیل ہے اس میں دو توجیہیں ہو سکتی ہیں: (1) وہ دونوں ساتھی تھے (2) وہ دونوں شریک تھے (1)۔

میں کہتا ہوں: خلطاء کا اطلاق شرکاء پر بہت ہی بعید ہے، علماء نے خلطاء کی صفت میں اختلاف کیا ہے۔ اکثر علماء نے ذکر کیا ہے یہ ایک آدمی اپنا ریوڑ لائے، ان سب کو ایک چرواہا، ایک ڈول اور چراگاہ جمع کرے۔ طاؤس اور عطا نے کہا: خلطاء، شرکاء ہی ہوتے ہیں، یہ حدیث کے خلاف ہے وہ حدیث یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: لا یُجمع بین مفترق ولا یُفرّق بین مجتمع خشیۃ الصدقۃ وما کان من خلیطین فانہما یتراجعان بینہما بالسویۃ (2) صدقہ کے ڈر سے جو الگ الگ کی ملکیت ہیں ان کو جمع نہیں کیا جائے گا اور جو ایک کی ملکیت ہیں ان کو الگ الگ نہیں کیا جائے گا جو دو خلیطوں کی ہیں ان پر برابر حکم ہوگا۔ روایت بیان کی گئی: فانہما یترادان الفضل۔ جبکہ شریکوں میں زائد چیز کو لوٹانے کا کوئی محل نہیں اسے خوب ذہن نشین کر لیجئے۔ خُلطہ کے احکام کتب فقہ میں مذکور ہیں۔ امام مالک، آپ کے اصحاب اور علماء کی ایک جمعیت کا نقطہ نظر ہے اس آدمی پر زکوٰۃ نہیں جس کے حصہ میں اتنا مال نہ ہو جس پر زکوٰۃ واجب ہوتی ہے۔

ربیع بلیث اور علماء کی ایک جماعت جن میں امام شافعی بھی ہیں: جب تمام مال اتنا ہو جس میں زکوٰۃ واجب ہوتی ہو تو ان سے زکوٰۃ لی جائے گی۔ امام مالک کا کہنا ہے: اگر زکوٰۃ وصول کرنے والا ان سے زکوٰۃ وصول کرتا ہے تو وہ آپس میں اسے باہم حصہ کے مطابق تقسیم کریں گے کیونکہ اس میں اختلاف ہے یہ بھی حاکم کے اس حکم کی طرح ہے جس میں اختلاف کیا گیا ہو۔

مسئلہ نمبر 14۔ لَیَبْغِیْ بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ وہ تعدی کرتا ہے اور ظلم کرتا ہے اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ کیونکہ وہ کسی پر ظلم نہیں کرتے وَ قَلِیْلٌ مَّا هُمْ یعنی وہ صالحین تھوڑے ہیں یہاں ما زائدہ ہے ایک قول یہ کیا گیا ہے: ما، الذین کے معنی میں ہے تقدیر کلام یہ ہوگی قلیل الذین ھم۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک آدمی کو دعا میں یہ کہتے ہوئے سنا: اللھم اجعلنی من عبادك القلیل اے اللہ! مجھے اپنے قلیل بندوں میں سے بنادے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسے فرمایا: یہ دعا کیسی ہے تو اس آدمی نے عرض کی: میں نے اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کا ارادہ کیا ہے: اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَ قَلِیْلٌ مَّا

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 88

2۔ صحیح بخاری، کتاب الزکوٰۃ، لایجمع بین مفترق ولا یفرق بین مجتمع، جلد 1، صفحہ 195

ھُمْ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اے عمر! تمام لوگ تجھ سے زیادہ فقیہ ہیں۔

مسئلہ نمبر 15۔ وَظَنَّ دَاوٗدُ اَنَّمَا فَتَنّٰهُ یعنی ہم نے اسے آزمایا (1) وَظَنَّ کا یہاں معنی ہے اسے یقین ہو گیا۔ ابو عمرو اور فراء نے کہا: ظن، أیقن کے معنی میں ہے مگر فراء نے یہ وضاحت کی ہے جس چیز کو آنکھوں سے دیکھا جا رہا ہو اس میں ظن، یقین کے معنی میں ہوتا ہے۔ قراءت نون کی تشدید کے ساتھ ہے تاء مشدد نہیں حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے اسے فَتَّنَّاهُ پڑھا ہے یہ مبالغہ کے لیے ہوگا۔ قتادہ، عبید، ابن عمیر اور ابن سمیقع نے فتناہ پڑھا ہے۔ علی بن نصر نے ابو عمرو سے اسی طرح روایت کی ہے اس سے مراد وہ فرشتے ہیں جو حضرت داؤد علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے۔

مسئلہ نمبر 16۔ جب حضرت داؤد علیہ السلام نے مسجد میں دونوں کے درمیان فیصلہ کیا تو ان میں سے ایک نے دوسرے کو دیکھا اور ہنس دیا، حضرت داؤد علیہ السلام سمجھ نہ سکے دونوں نے پسند کیا کہ ان دونوں کو پہچان کرائیں تو دونوں ان کے سامنے آسمان میں بلند ہو گئے تو حضرت داؤد علیہ السلام کو علم ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں آزمایا ہے اور اس آزمائش پر حضرت داؤد علیہ السلام کو متنبہ کر دیا۔

میں کہتا ہوں: قرآن حکیم میں کوئی ایسی آیت نہیں جو مسجد میں فیصلہ پر دلالت کرتی ہو مگر یہ آیت ولالت کرتی ہے جو آدمی یہ کہتا ہے کہ مسجد میں فیصلہ کرنا درست ہے وہ اسی آیت سے استدلال کرتا ہے امام شافعی جس طرح کہتے ہیں اس طرح اگر یہ ناجائز ہوتا تو حضرت داؤد علیہ السلام انہیں وہاں نہ ٹھہراتے بلکہ ارشاد فرماتے: فیصلہ کی جگہ چلو۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفاء مساجد میں فیصلہ کرتے۔ امام مالک نے فرمایا: مسجد میں فیصلہ قدیمی معاملہ ہے (2) یعنی بہت سے امور میں ایسا کرنا جائز ہے اس میں کوئی حرج نہیں کہ مسجد کے صحن میں قاضی بیٹھے تاکہ کمزور، مشرک اور حائضہ عورت وہاں تک پہنچ سکے اس میں حدود قائم نہ کرے تھوڑی بہت تنبیہ میں کوئی حرج نہیں۔ اشہب نے کہا: وہ اپنے گھر میں اور جہاں چاہے فیصلہ کرے۔

مسئلہ نمبر 17۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: خلفاء خود فیصلے کیا کرتے تھے۔ امراء میں سے سب سے پہلے جس نے فیصلہ کرانا چاہا وہ حضرت امیر معاویہ تھے۔ امام مالک نے کہا: قاضیوں کو چاہیے کہ علماء سے مشورہ لیں۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز نے کہا: وہ فیصلہ نہ کرے یہاں تک کہ گزشتہ قاضیوں کے آثار سے آگاہ نہ ہو، اصحاب رائے سے مشورہ لے، حلیم، پاکدامن ہو کہا: وہ متقی ہو۔ امام مالک نے کہا: مناسب یہ ہے کہ وہ بیدار مغز ہو، حیلوں بہانوں سے بہت زیادہ بچنے والا ہو، وہ شروط سے واقف ہو، جتنی عربی کے بغیر چارہ نہ ہو اتنا اسے جانتا ہو کیونکہ عبارات، دعووں، اقرار، شہادت جو محکوم علیہ کے حقوق کو متضمن ہو ان کے مختلف ہونے سے احکام مختلف ہو جاتے ہیں۔ قاضی کے لیے مناسب ہے کہ وہ مطلوب کو حکم نافذ کرنے سے پہلے کہے: کیا تیری کوئی دلیل باقی ہے۔

اگر وہ کہے کہ کوئی دلیل باقی نہیں تو وہ اس پر حکم لگا دے وہ حکم کے نفاذ کے بعد کوئی دلیل قبول نہیں کرے گا، مگر اس صورت میں کہ اس کی کوئی وجہ ہو یا دلیل ہو۔ قضا اور قاضیوں کے احکام جو ان کے حق میں ہیں یا خلاف ہیں کسی اور جگہ مذکور ہیں۔

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 88

2۔ احکام القرآن لابن العربی، جلد 4، صفحہ 1638

مسئلہ نمبر 18۔ فَاسْتَغْفَرَ رَبَّهٗ مفسرین نے اس خطا کی تفسیر میں اختلاف کیا جس سے حضرت داؤد علیہ السلام نے مغفرت طلب کی تھی انہوں نے کہا: اس کی چھ صورتیں ہیں:

1۔ آپ نے اس عورت کو دیکھا یہاں تک کہ سیر ہوئے (1)۔ سعید بن جبیر نے کہا: ان کی آزمائش دیکھنا ہی تھی۔ ابو اسحاق نے کہا: حضرت داؤد علیہ السلام نے عورت کو ارادۃً نہیں دیکھا تھا لیکن نظر دوبارہ اس کی طرف لوٹ گئی۔ پہلی نظر ان کے حق میں رہی اور دوسری نظر ان کے خلاف ہوئی۔

2۔ حضرت داؤد علیہ السلام نے تابوت کے حملہ میں اس عورت کے خاوند کو جنگ میں بھیجا (2)۔

3۔ انہوں نے یہ نیت کی تھی اگر اس کا خاوند فوت ہو گیا تو وہ اس عورت سے شادی کر لیں گے (3)۔

4۔ اوریا نے اس عورت کو دعوت نکاح دی تھی جب وہ کہیں چلا گیا تو حضرت داؤد علیہ السلام نے اس عورت کو دعوت نکاح دی تو اس عورت نے حضرت داؤد علیہ السلام کی جلالت شان کی وجہ سے آپ سے شادی کر لی، اوریا اس وجہ سے غمگین ہوا۔ الله تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام کو اس امر پر عتاب کیا کہ آپ نے اس کے منگیتر کے لیے اسے کیوں نہ چھوڑا جبکہ حضرت داؤد علیہ السلام کے ہاں پہلے سے ننانوے بیویاں تھیں۔

5۔ حضرت داؤد علیہ السلام نے اوریا کے قتل پر ایسی پریشانی کا اظہار نہیں کیا جس طرح آپ اس وقت پریشانی کا اظہار کرتے تھے جبکہ کوئی لشکر میں سے آدمی قتل ہوتا، پھر اس کی بیوی سے شادی کر لی الله تعالیٰ نے اس وجہ سے انہیں عتاب کیا، کیونکہ انبیاء کے گناہ اگرچہ چھوٹے ہوں تب بھی وہ الله تعالیٰ کے ہاں عظیم ہوتے ہیں۔

6۔ آپ نے دوسرے فریق کی گفتگو سننے سے قبل ہی فیصلہ کر دیا تھا۔

قاضی ابن عربی نے کہا: جس نے یہ کہا کہ آپ نے دوسرے فریق کی گفتگو سننے سے قبل ایک فریق کے حق میں فیصلہ کر دیا تھا تو یہ بات انبیاء کے بارے میں کہنا جائز نہیں اسی طرح اس کے خاوند کو قتل کے لیے پیش کرنا بھی صحیح نہیں (4)۔

جہاں تک اس آدمی کے قول کا تعلق ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام نے اس عورت کو دیکھا اور جی بھر کر دیکھا تو میرے نزدیک یہ کسی حال میں بھی جائز نہیں کیونکہ نظر کا سرکش ہونا ان اولیاء کے حق میں مناسب نہیں جو عبادت کے لیے اپنے آپ کو وقف کرتے ہیں تو ان انبیاء کے حق میں کیسے جائز ہے جو الله تعالیٰ تک پہنچنے کا وسیلہ اور غیب کا مشاہدہ کرنے والے ہیں۔

سدی نے حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے: اگر میں نے کسی انسان کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ حضرت داؤد علیہ السلام نے اس عورت سے کسی حرام فعل کا ارتکاب کیا ہے تو میں اس کو ایک سو ساٹھ کوڑے ماروں گا کیونکہ عام انسانوں پر تہمت لگانے والے پر اسی کوڑے اور انبیاء پر تہمت لگانے والوں کے لیے ایک سو ساٹھ کوڑے ہوں گے: اسے ماوردی اور ثعلبی نے بھی ذکر کیا ہے۔

1۔ احکام القرآن لابن العربی، جلد 4، صفحہ 1638
2۔ ایضاً
3۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 89
4۔ احکام القرآن لابن العربی، جلد 4، صفحہ 39-1638

ثعلبی نے کہا: حرث اعور نے حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے جس نے حضرت داؤد علیہ السلام کا واقعہ اس انداز میں بیان کیا جس طرح قصہ گو آدمی بیان کرتے ہیں جبکہ وہ اس کا اعتقاد بھی رکھتا ہو تو میں اس پر دو حدیں جاری کروں گا، کیونکہ اس نے اس ہستی جس کے مقام کو اللہ تعالیٰ نے بلند کیا ہے، اپنی مخلوق میں سے جس پر راضی ہوا ہے تو اسے دونوں جہانوں کے لیے رحمت اور مجتہدین کے لیے حجت بنایا ہے، اس ہستی پر اس نے تہمت لائی ہے تو اس کا گناہ بہت بڑا ہے۔

ابن عربی نے کہا: یہ روایت ان میں سے نہیں جو حضرت علی شیر خدا سے صحیح منسوب ہے (1) اگر یہ سوال کیا جائے: تمہارے نزدیک اس کا کیا حکم ہے؟۔

ہم کہتے ہیں: جہاں تک اس آدمی کا تعلق ہے جو یہ کہے: نبی نے بدکاری کی ہے، تو اسے قتل کر دیا جائے گا۔ جہاں تک اس آدمی کا تعلق ہے جس نے اس سے کم درجہ کا جرم حضرت داؤد علیہ السلام کی طرف منسوب کیا جیسے دیکھنا اور ہاتھ سے چھونا ہے تو لوگوں سے اس بارے میں مختلف اقوال مروی ہیں: اگر ایک آدمی آپ کے بارے میں قطعی رائے کا اظہار کرے اور اس امر کو ان کی طرف منسوب کرے تو میں اسے قتل کر دوں گا، کیونکہ یہ اس تعزیر کے خلاف ہے جس کا حکم کیا گیا ہے۔

جہاں تک اس قول کا تعلق ہے کہ آپ کی نظر ایسی عورت پر پڑی جو غسل کر رہی تھی اور ننگی تھی۔ جب اس نے حضرت داؤد علیہ السلام کو دیکھا تو اپنے بال بکھیر لیے اور اپنے جسم کو ڈھانپ لیا۔ اجماع امت کے ساتھ اس میں کوئی حرج نہیں کیونکہ پہلی نظر نے ان کے لیے دیکھی جانے والی چیز کو ظاہر کیا اسے دیکھنے والا گناہ گار نہ ہوگا۔ جہاں تک دوسری نظر کا تعلق ہے اس کی کوئی اصل نہیں۔

جہاں تک ان کے اس قول کا تعلق ہے کہ آپ نے یہ نیت کی تھی کہ اگر اس کا خاوند فوت ہو گیا تو وہ اس عورت سے شادی کر لیں گے تو اس پر کوئی چیز لازم نہ ہوگی کیونکہ آپ نے اسے موت کے لیے پیش نہیں کیا۔ جہاں تک ان کے اس قول کا تعلق ہے کہ آپ نے اوریا کی دعوت نکاح کے بعد دعوت نکاح دی تو یہ باطل ہے۔ قرآن اور تمام تفسیری آثار اس کو رد کرتے ہیں۔

اشہب نے امام مالک سے روایت نقل کی ہے کہ مجھے یہ خبر پہنچی ہے کہ وہ جو کبوتری آئی اور حضرت داؤد علیہ السلام کے قریب گری وہ سونے کی تھی جب حضرت داؤد علیہ السلام نے اسے دیکھا تو وہ آپ کو بھلی لگی۔ حضرت داؤد علیہ السلام اٹھے تاکہ اسے پکڑ لیں وہ ہاتھ بھر ہی دور تھی پھر آپ نے یہ عمل دو دفعہ کیا پھر وہ اڑ گئی آپ کی نظر اس کے پیچھے گئی تو آپ کی نظر اس عورت پر جا پڑی جبکہ وہ عورت غسل کر رہی تھی اور اس کے لمبے بال تھے۔ مجھے یہ خبر پہنچی ہے کہ آپ چالیس دن تک سجدہ ریز رہے یہاں تک کہ آپ کی آنکھوں کی آنسوؤں سے گھاس اُگ آئی۔

ابن عربی نے کہا: جہاں تک مفسرین کا یہ قول ہے کہ ایک پرندہ آپ کے پاس داخل ہوا آپ نے اسے پکڑنے کا ارادہ کیا آپ نے اس کا پیچھا کیا تو یہ عبادت کے منافی نہیں کیونکہ اس کا کرنا مباح ہے خصوصاً وہ چیز حلال ہو اور حلال کا طلب کرنا فرض ہے۔ آپ نے اس کا پیچھا اس پرندے کی ذات کی وجہ سے کیا تھا اس کی خوبصورتی کی وجہ سے نہیں کیا تھا کیونکہ خوبصورتی میں

1۔ احکام القرآن لابن العربی، جلد 4، صفحہ 1639

آپ کے لیے کوئی نفع نہ تھا۔ مفسرین کا پرندے کے حسن کا ذکر کرنا یہ جہالت میں اختراع ہے۔ جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ وہ پرندہ سونے کا تھا آپ نے اس کا پیچھا کیا تا کہ اسے پکڑ لیں، کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے جس طرح صحیح میں مروی ہے کہ حضرت ایوب علیہ السلام ننگے غسل کر رہے تھے تو ان پر سونے کی ٹڈیاں گرنے لگیں (1) آپ ان سے چوبھر نے لگے اور اپنے کپڑے میں ڈالنے لگے تو اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ''اے ایوب! کیا میں نے تجھے غنی نہیں کیا؟ عرض کی: کیوں نہیں میرے رب! لیکن تیری برکت سے بے نیاز نہیں''۔

قشیری نے کہا: حضرت داؤد علیہ السلام نے ارادہ کیا کہ اسے پکڑیں تا کہ اپنے چھوٹے بیٹے کو دے دیں تو وہ پرندہ اڑ گیا اور کمرے کے روشن دان میں جا گرا؛ یہ ثعلبی کا قول ہے۔

مسئلہ نمبر 19۔ وَخَرَّ رَاكِعًا وَّ اَنَابَ وہ سجدہ میں گر گئے سجود کو رکوع سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

شاعر نے کہا:

فخرّ علی وَجهِه رَاكِعًا وتابَ إلى الله مِنْ كُلِّ ذنب (2)

وہ منہ کے بل سجدہ میں گر گیا اور اس نے ہر گناہ سے اللہ تعالیٰ کے حضور توبہ کی۔

ابن عربی نے کہا: علماء میں کوئی اختلاف نہیں کہ یہاں رکوع سے مراد سجدہ ہے (3) کیونکہ سجود سے مراد مائل ہونا اور رکوع سے مراد دوہرا ہونا ہے، ان میں سے ایک دوسرے میں داخل ہے لیکن بعض اوقات ان میں سے ہر ایک اپنی نیت کے ساتھ خاص ہوتا ہے، پھر یہ ایک دوسرے کے نام کے ساتھ واقع ہوا ہے اور سجود کو رکوع کا نام دیا ہے۔

مہدوی نے کہا: ان کا رکوع میں سجدہ تھا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ان کا سجود رکوع تھا۔ مقاتل نے کہا: وہ اپنے رکوع سے اللہ تعالیٰ کے حضور سجدہ میں گر گئے، یعنی جب آپ نے معاملہ کو محسوس کیا تو نماز کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے پھر رکوع سے سجدہ میں گرے کیونکہ دونوں دوہرا ہونے پر مشتمل ہیں۔

وَّ اَنَابَ یعنی اپنی خطا سے توبہ کی اور اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹے۔ حسین بن فضل نے کہا کہ مجھ سے عبد اللہ بن طاہر (جو والی تھا) نے اللہ تعالیٰ کے فرمان: وَخَرَّ رَاكِعًا کے بارے میں پوچھا: کیا رکوع کرنے والے کو خر سے تعبیر کرتے ہیں؟ میں نے کہا: نہیں۔ پوچھا: اس آیت کا معنی کیا ہے؟ میں نے کہا: اس کا معنی ہے پہلے رکوع میں تھے پھر سجدہ کیا۔

مسئلہ نمبر 20۔ حضرت داؤد علیہ السلام کے سجدہ میں اختلاف کیا گیا ہے، کیا یہ ان فرائض سے ہے جس کا قرآن میں حکم دیا گیا ہے یا نہیں؟

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ نے روایت نقل کی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے منبر پر صٓ وَ الْقُرْاٰنِ ذِی الذِّكْرِ ○ کی تلاوت کی جب سجدہ تک پہنچے تو نیچے اترے سجدہ کیا اور لوگوں نے بھی آپ کے ساتھ سجدہ کیا جب دوسرا دن ہوا تو آپ نے

1۔ صحیح بخاری، کتاب احادیث الانبیاء، ایوب إذ نادی ربہ أنی مسنی الضر، جلد 1، صفحہ 480

2۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 89

3۔ احکام القرآن لابن العربی، جلد 4، صفحہ 40-1639

اس کی قراءت کی تو پھر سجدہ کے لیے تیار ہوئے (1) تو رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "یہ ایک نبی کی توبہ تھی لیکن میں تمہیں دیکھتا ہوں کہ تم نے سجدہ کا ارادہ کیا ہے" آپ اترے اور سجدہ کیا؛ یہ ابوداؤد کے الفاظ ہیں (2)۔

بخاری اور دوسری کتب میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ آپ نے کہا: سورۂ ص کا سجدہ قرآن کے فرائض میں سے نہیں میں نے نبی کریم ﷺ کو اس میں سجدہ کرتے ہوئے دیکھا ہے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہما سے مروی ہے انہوں نے کہا: "ص" کا سجدہ ایک نبی کی توبہ تھی اور آپ اس میں سجدہ نہیں کرتے تھے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے: یہ ایک نبی اور تمہارے نبی کی توبہ ہے؛ جن کی اقتدا کا حکم دیا گیا ہے۔

ابن عربی نے کہا: میرے نزدیک یہ سجدہ کی جگہ نہیں لیکن نبی کریم ﷺ نے سجدہ کیا تو ہم نے آپ کی اقتدا کرتے ہوئے سجدہ کیا۔ سجود کا معنی ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام نے اپنے رب کے حضور عاجزی کرتے ہوئے اپنی خطا کا اعتراف کرتے ہوئے اور اپنی خطا سے توبہ کرتے ہوئے سجدہ کیا۔ جب کوئی اس میں سجدہ کرے تو اسی نیت سے اس میں سجدہ کرے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ حضرت داؤد علیہ السلام کی اتباع کے واسطہ سے اس کے گناہ بخش دے۔ یہ مسئلہ برابر ہے کہ ہم کہیں کہ ہم سے قبل کی شریعت ہمارے لیے شریعت ہے یا نہیں۔ کیونکہ یہ ایسا امر ہے جو ہر امت میں ہر ایک کے لیے مشروع ہے۔

مسئلہ نمبر 21۔ ابن خویز منداد نے کہا: وَخَرَّ رَاكِعًا وَّاَنَابَ میں یہ دلیل موجود ہے کہ اکیلا سجدہ شکر جائز نہیں کیونکہ اس کے ساتھ رکوع کا ذکر موجود ہے جو جائز ہے وہ یہ ہے کہ وہ شکرانہ کے طور پر دو رکعت نماز پڑھے۔ جہاں تک اکیلے سجدہ کا تعلق ہے تو یہ جائز نہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ بشارتیں رسول اللہ ﷺ اور آپ کے بعد ائمہ کو بھی آتی رہی تھیں۔ ان میں سے کسی سے بھی یہ منقول نہیں کہ نبیوں نے سجدہ شکر کیا ہو۔ اگر اس پر عمل ہوتا تو ظاہر طور پر عمل ہوتا کیونکہ عام لوگوں کو اس کی حاجت تھی اور دوسری بات یہ تھی کہ یہ قربت تھی۔

میں کہتا ہوں: سنن ابن ماجہ میں حضرت عبداللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے دو رکعت نماز پڑھی جس روز آپ کو ابوجہل کے مرنے کی بشارت دی گئی (3)۔ ابوبکرہ کی حدیث سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ تک اگر کوئی ایسا امر پہنچتا جو آپ کو خوش کرتا تو شکر بجالاتے ہوئے سجدہ میں گر جاتے (4)؛ یہ امام شافعی اور دوسرے علماء کا قول ہے۔

مسئلہ نمبر 22۔ امام ترمذی اور دوسرے علماء نے روایت کیا کہ ایک انصاری رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں حاجت کی نماز پڑھتا اور ایک درخت کی اوٹ لیتا وہ پڑھا کرتا صٓ وَالْقُرْاٰنِ ذِی الذِّكْرِ ۝ جب سجدہ تک پہنچتا تو سجدہ کرتا اور اس کے ساتھ درخت بھی سجدہ کرتا۔ اس صحابی نے اس درخت کو کہتے ہوئے سنا: اے اللہ! اس سجدہ کے ساتھ میرے اجر کو بڑا کر دے اور اس کے بدلے میں شکر کی توفیق نصیب فرما (5)۔

1۔ احکام القرآن لابن العربی، جلد 4، صفحہ 1640
2۔ سنن ابی داؤد، باب السجود، کتاب الصلوٰۃ، جلد 1، صفحہ 200، ایضاً، حدیث 1201
3۔ سنن ابن ماجہ، باب ماجاء فی الصلاۃ والسجدۃ عند الشکر، حدیث 1380، ضیاء القرآن پبلی کیشنز
4۔ سنن ابن ماجہ، حدیث نمبر 1383۔ ایضاً ابوداؤد، باب فی سجود الشکر، 2393، ضیاء القرآن پبلی کیشنز
5۔ سنن الترمذی، باب مایقول فی سجود القرآن، حدیث نمبر 528، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

میں نے کہا: ابن ماجہ نے اپنی سنن میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کی ہے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تھا کہ ایک آدمی آپ کے پاس آیا عرض کی: میں نے آج رات وہ دیکھا ہے جو سونے والا دیکھتا ہے گویا میں ایک درخت کے تنے کے پاس نماز پڑھتا ہوں میں نے آیت سجدہ پڑھی تو میں نے سجدہ کیا تو میرے سجدہ کی وجہ سے درخت بھی سجدہ ریز ہو گیا۔ میں نے اسے یہ کہتے ہوئے سنا: اے اللہ! اس کے وسیلہ سے مجھ سے گناہ کو دور کر دے، اس کے بدلہ میں میرے لیے اجر لکھ دے، اپنے ہاں میرے لیے ذخیرہ بنا دے (1)۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ نے آیت سجدہ کو پڑھا اور سجدہ کیا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سجدہ میں اس قسم کے کلمات کہتے ہوئے سنا جو اس آدمی نے درخت کے کلمات بتائے تھے☆؛ ثعلبی نے اسے حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا۔ میں نے عرض کی: یا رسول اللہ! میں نے خواب میں دیکھا گویا میں درخت کے نیچے ہوں اور درخت سورۂ ص کی تلاوت کر رہا ہے جب وہ آیت سجدہ تک پہنچا تو اس میں درخت نے سجدہ کیا تو میں نے اسے سجدہ میں کہتے ہوئے سنا: میرے لیے اس کے بدلے میں اجر لکھ دے، اس کی وجہ سے مجھ سے گناہ کو اتار دے، اس کے بدلہ میں مجھے شکر کی توفیق نصیب فرما، اسے مجھ سے قبول فرما جس طرح تو نے اپنے بندے حضرت داؤد کے سجدہ کو قبول کیا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے ارشاد فرمایا: ''اے ابو سعید! تو نے سجدہ کیا''؟ میں نے عرض کی: نہیں یا رسول اللہ! فرمایا: ''تو درخت کی بنسبت سجدہ کرنے کا زیادہ مستحق تھا''۔ پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سورۂ ص کی تلاوت کی یہاں تک کہ سجدہ تک پہنچے اور سجدہ کیا پھر اس کی مثل کہا جس طرح درخت نے کہا تھا۔

مسئلہ نمبر 23۔ فَغَفَرْنَا لَهُ ذٰلِكَ یعنی ہم نے اس کا گناہ بخش دیا (2)۔ ابن انباری نے کہا: فَغَفَرْنَا لَهُ ذٰلِكَ پر وقف تام ہے پھر تو وَ اِنَّ لَهٗ سے کلام شروع کرے گا۔ قشیری نے کہا: فَغَفَرْنَا لَهٗ پر عطف کرنا جائز ہے پھر ذٰلِكَ وَ اِنَّ لَهٗ سے تو کلام شروع کرے گا جس طرح یہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: هٰذَا ۭ وَ اِنَّ لِلطّٰغِیْنَ یعنی امر یہ ہے۔

عطا خراسانی اور دوسری علماء نے کہا: حضرت داؤد علیہ السلام چالیس روز سجدہ ریز رہے (3) یہاں تک کہ آپ کے چہرہ کے ارد گرد کھیتی اگ گئی اور آپ کے سر کو ڈھانپ لیا اور یہ ندا کی گئی کہ کیا تو بھوکا ہے کہ تجھے کھلایا جائے۔ کیا تو ننگا ہے کہ تجھے پہنایا جائے تو آپ نے ایک آہ بھری تو گھاس آپ کے پیٹ کی گرمی سے خشک ہو گئی تو آپ کو بخش دیا گیا اور اس پر پردہ ڈال دیا گیا۔ حضرت داؤد علیہ السلام نے عرض کی: اے میرے رب! یہ میرے اور تیرے درمیان گناہ تھا جسے تو نے بخش دیا ہے تو فلاں فلاں کا کیا بنے گا؟ آپ نے بنی اسرائیل کے لوگوں کا ذکر کیا جس کی اولادوں کو میں نے یتیم چھوڑا اور ان کی بیویوں کو بیوہ چھوڑا؟ فرمایا: اے داؤد! قیامت کے روز کوئی ظلم مجھ سے تجاوز نہیں کرے گا جس پر میں نے تجھے اختیار دیا پھر میں تجھے

1۔ صحیح ابن حبان، کتاب الصلوٰۃ، ذکر ما یدعو المرء بہ فی سجود التلاوۃ فی صلوتہ، جلد 6، صفحہ 473

2۔ تفسیر طبری، جز 23، صفحہ 178 3۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 89

☆ سنن ابن ماجہ، باب سجود القرآن، حدیث نمبر 1042، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

اس کے بدلے میں جنت کا ثواب دوں گا عرض کی: اے میرے رب! اس طرح تو مغفرت آسان ہو جائے گی پھر کہا جائے گا: اے داؤد! اپنے سر کو اٹھاؤ وہ اپنا سر اٹھانے کی کوشش کریں گے تو وہ زمین سے چمٹ چکا ہو گا جبریل امین تشریف لائیں گے اور زمین سے الگ کریں گے جس طرح درخت سے اس کی گوند کو الگ کیا جاتا ہے؛ اسے ولید بن مسلم نے ابن جابر سے وہ عطا سے روایت نقل کرتے ہیں۔

ولید نے کہا مجھے منیر بن زبیر نے خبر دی ہے کہ آپ کی سجدہ گاہیں زمین کے ساتھ چمٹ چکی تھیں جتنے عرصہ تک اللہ تعالیٰ نے چاہا تھا ولید نے کہا ابن لہیعہ نے کہا آپ اپنے سجدہ میں کہا کرتے تھے: تو پاک ہے یہ میرے آنسو میرے مشروب ہیں۔ یہ میرا کھانا ہے جو میرے ہاتھوں میں راکھ کی صورت میں ہے۔

ایک روایت میں ہے کہ وہ چالیس روز تک سجدہ ریز رہے وہ فرض نماز کے سوا اپنا سر نہیں اٹھاتے تھے آپ روتے رہے یہاں تک کہ آپ کے آنسوؤں سے گھاس اگ آئی۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ایک مرفوع روایت مروی ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام چالیس راتوں تک سجدہ ریز رہے (1) یہاں تک کہ آنسوؤں کی وجہ سے سر پر گھاس اگ آئی اور زمین نے آپ کی پیشانی کا حصہ کھا لیا تھا جبکہ آپ سجدہ میں کہہ رہے تھے: اے میرے رب! داؤد نے لغزش کی جس کے باعث وہ اللہ کی رحمت سے اتنا دور ہو گیا ہے جتنی دوری مشرق و مغرب کی درمیان ہے اے میرے رب اگر تو حضرت داؤد علیہ السلام کی کمزوری پر رحم نہ فرمائے اور اس کا گناہ نہ بخشے تو اس کے گناہ کو اس کے بعد مخلوقات میں زبان زد خاص و عام کر دے۔ حضرت جبریل امین نے چالیس سال کے بعد انہیں کہا: اے داؤد اللہ تعالیٰ نے تیرے ارادہ کو معاف کر دیا جو تو نے کیا تھا۔

وہب نے کہا: حضرت داؤد علیہ السلام کو ندا کی گئی کہ میں نے تجھے بخش دیا ہے حضرت داؤد علیہ السلام نے پھر بھی اپنا سر نہ اٹھایا یہاں تک کہ جبریل امین آئے کہا: تو نے اپنا سر کیوں نہ اٹھایا جبکہ تیرے رب نے تجھے بخش دیا تھا؟ عرض کی: اے میرے رب! کیسے جبکہ تو کسی پر ظلم نہیں کرتا اللہ تعالیٰ نے جبریل امین سے فرمایا داؤد کی طرف جاؤ اور اسے کہو اوریا کی قبر کی طرف جاؤ اور اس سے فراغت پاؤ میں اس کی ندا کو سنوں گا۔ حضرت داؤد علیہ السلام نے ٹاٹ کا لباس پہنا اور اوریا کی قبر کے پاس بیٹھ گئے اور آواز لگائی اوریا! اس نے جواب دیا: لبیک۔ کس نے میری لذت کو مجھ پر قطع کیا ہے اور مجھے بیدار کیا ہے؟ کہا: میں تیرا بھائی داؤد ہوں میں تجھ سے سوال کرتا ہوں کہ تو مجھے معاف کر دے کیونکہ میں نے تجھے قتل پر پیش کیا تھا اوریا نے کہا: تو نے تو مجھے جنت پر پیش کیا تھا تو مجھ سے بری ہے۔ حضرت حسن بصری اور دوسرے علماء نے کہا: حضرت داؤد علیہ السلام خطا کے بعد خطا کاروں کے پاس بیٹھتے تھے اور کہتے تھے: داؤد خطا کار کے پاس آؤ، کوئی مشروب نہ پیتے (2) مگر اپنے آنسوؤں کو اس میں ملاتے آپ جو کی خشک روٹی ایک پیالہ میں رکھتے لگاتار روتے رہتے یہاں تک کہ وہ روٹی آپ کے آنسوؤں سے تر ہو جاتی آپ اس پر راکھ اور نمک بکھیر دیتے اور اسے کھاتے تھے اور یہ کہتے: یہ خطا کاروں کا کھانا ہے۔ آپ خطا سے پہلے نصف رات قیام کیا کرتے تھے اور نصف زمانہ روزہ رکھا کرتے پھر آپ نے ہمیشہ روزہ رکھنا شروع کر دیا اور ساری رات قیام کیا کرتے

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 89　　2۔ ایضاً، جلد 5، صفحہ 90

عرض کی: اے میرے رب! میری غلطی کو میرے ہاتھ میں رکھ دے تو ان کی خطا ان کی ہتھیلی پر نقش ہوگئی آپ ہتھیلی کو کھانے پینے اور کسی اور چیز کے لیے نہ پھیلاتے مگر اسے دیکھتے تو وہ خطا آپکو رلا دیتی اگر ان کے پاس پیالہ لایا جاتا جس کا دوثلث پانی ہوتا جب آپ اسے لیتے تو اپنی خطا دیکھتے تو ابھی اپنے ہونٹوں سے الگ نہ کرتے مگر وہ آپ کے آنسوؤں سے بھر جاتا۔

ولید بن مسلم نے روایت بیان کی ہے کہ مجھے ابو عمرو اوزاعی نے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بیان کیا کہ حضرت داؤد علیہ السلام کی دو آنکھوں کی مثال دو مشکیزوں جیسی ہے جن سے پانی ٹپکتا رہتا ہے۔ آنسوؤں نے حضرت داؤد علیہ السلام کے چہرے میں یوں گڑھے بنا دیئے تھے جس طرح پانی زمین میں گڑھے بنا دیتا ہے۔

ولید نے کہا ہمیں عثمان بن ابی عاتکہ نے بیان کیا: حضرت داؤد علیہ السلام جبکہ آپ خطا سے خالی تھے ان کے قول میں خطا کاروں کے بارے میں شدت تھی وہ کہا کرتے: اللھم لا تغفر للخطائیں اے اللہ! خطا کاروں کو نہ بخش، پھر آپ یہ کہنے لگے: اے اللہ! خطا کاروں کو بخش دے تاکہ تو ان کے ساتھ داؤد کو بخش دے (1)، اے نور کو پیدا کرنے والے! تو پاک ہے اے میرے اللہ! میں تیرے بندوں میں سے اطباء میں سے سوال کرنے کے لیے نکلا کہ وہ میری کی دوا کریں سب نے میری تیری طرف راہنمائی کی اے میرے اللہ! میں نے ایسی خطا کی ہے مجھے ڈر ہے کہ تو اسی کا پھل قیامت کے روز اپنے عذاب کو بنائے گا اور تو اسے نہ بخشے اے نور کو پیدا کرنے والے! تو پاک ہے اے میرے اللہ! جب میں اپنی خطا کو یاد کرتا ہوں تو زمین اپنی کشادگی کے باوجود مجھ پر تنگ ہو جاتی ہے اور جب میں تیری رحمت کو یاد کرتا ہوں تو میری روح لوٹ آتی ہے۔

حدیث طیبہ میں یہ بھی ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام جب منبر پر چڑھتے تو دایاں ہاتھ اٹھاتے اور لوگوں کے سامنے اسے کرتے تاکہ اپنی خطا کا نقش انہیں دکھائیں آپ یوں ندا کیا کرتے: اے میرے اللہ! جب میں اپنی خطا کو یاد کرتا ہوں تو زمین اپنی کشادگی کے باوجود مجھ پر تنگ پڑ جاتی ہے اور جب میں تیری رحمت کو یاد کرتا ہوں تو میری روح میری طرف لوٹ آتی ہے اے میرے رب! خطا کاروں کو بخش دے (2) تاکہ تو حضرت داؤد علیہ السلام کو ان کے ساتھ بخش دے۔ آپ چھت کے سات بستروں پر بیٹھا کرتے تھے جن میں راکھ بھری ہوتی آپ اپنے آنسو اپنے پاؤں کے نیچے گراتے یہاں تک کہ وہ سات بستروں سے نیچے چلے جاتے جب حضرت داؤد علیہ السلام کے رونے کا دن ہوتا تو ان کا منادی کرنے والا راستوں، بازاروں، وادیوں، گھاٹیوں، پہاڑوں کی چوٹیوں اور غاروں کے مونہوں پر اعلان کرتا خبردار! یہ حضرت داؤد علیہ السلام کے نوحہ کا دن ہے جو اپنے گناہ پر رونا چاہتا ہے تو وہ حضرت داؤد علیہ السلام کے پاس آئے اور ان کی مدد کرے غاروں اور وادیوں سے سیاح نیچے اترتے آپ کے منبر کے اردگرد آوازیں بلند ہوتیں، وحشی جانور، درندے اور پرندے سر جھکائے ہوتے اور بنی اسرائیل آپ کے منبر کے اردگرد ہوتے جب آپ رونا شروع کرتے اور اندرونی آگ آنسوؤں کے منابع کو جوش دیتی تو ساری جماعت رونے اور چیخنے میں یک آواز ہوتی یہاں تک کہ اس روز انسانوں کی ایک بڑی جماعت مرجاتی اچانک ہفتہ کے دن حضرت داؤد علیہ السلام فوت ہو گئے ملک الموت آیا جبکہ وہ اپنی عبادت گاہ میں اوپر چڑھ رہے تھے یا نیچے اتر رہے

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 90 2۔ ایضاً

تھے فرمایا: میں تو تیری روح قبض کرنے کے لیے آیا ہوں۔ حضرت داؤد علیہ السلام نے کہا: مجھے مہلت دو یہاں تک کہ میں نیچے اتر آؤں یا اوپر چڑھ جاؤں عرض کی: میرا اس میں کوئی اختیار نہیں ایام، مہینے، سال، آثار اور رزق ختم ہو چکے ہیں آپ اس کے بعد کوئی اثر چھوڑنے والے نہیں کہا: حضرت داؤد علیہ السلام سیڑھی کے زینے پر سجدہ ریز ہو گئے تو ملک الموت نے اسی حال میں ان کی روح قبض کر لی۔ ان کے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے درمیان پانچ سو نانوے سال کا عرصہ ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: پانچ سو اناسی سال کا عرصہ ہے۔ حضرت داؤد علیہ السلام سو سال تک زندہ رہے اور اپنے بیٹے حضرت سلیمان علیہ السلام کے حق میں خلافت کی وصیت کی۔

مسئلہ نمبر 24۔ وَ اِنَّ لَهٗ عِنْدَنَا لَزُلْفٰى وَ حُسْنَ مَاٰبٍ ۝ محمد بن کعب اور محمد بن قیس نے کہا: لَزُلْفٰى سے مراد ہے مغفرت کے بعد قربت ہوگی دونوں نے یہ بھی کہا: اللہ کی قسم! قیامت کے روز سب سے پہلے جو جام پیے گا وہ حضرت داؤد علیہ السلام ہوں گے۔ مجاہد نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کی ہے زُلْفٰى سے مراد قیامت کے روز اللہ تعالیٰ کا قرب ہے۔ مجاہد سے مروی ہے کہ قیامت کے روز حضرت داؤد علیہ السلام کو اٹھایا جائے گا جبکہ ان کی خطا ان کے ہاتھ میں نقش ہوگی جب آپ قیامت کی ہولناکیوں کو دیکھیں گے تو ان سے بچنے کی کوئی پناہ نہ پائیں گے مگر یہ اللہ تعالیٰ کی رحمت کی پناہ چاہیں گے کہا: پھر وہ اپنی خطا دیکھیں گے تو پریشان ہونگے تو انہیں کہا جائے گا۔ یہاں یہاں، پھر وہ اپنی خطا کو دیکھیں گے تو پریشان ہونگے تو انہیں کہا جائے گا: یہاں یہاں، پھر وہ خطا کو دیکھیں گے تو پریشان ہونگے تو انہیں کہا جائے گا: یہاں یہاں۔ یہاں تک کہ انہیں قریب کر دیا جائے گا تو وہ سکون پا جائیں گے اس بارے میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَ اِنَّ لَهٗ عِنْدَنَا لَزُلْفٰى وَ حُسْنَ مَاٰبٍ ۝ یہ ترمذی حکیم نے ذکر کیا ہے۔ کہا: فضل بن محمد، عبدالملک بن اصبغ سے وہ ولید بن مسلم سے وہ ابراہیم بن محمد فزاری سے وہ عبدالملک بن ابی سلیمان سے وہ مجاہد سے روایت نقل کرتے ہیں اور اسے ذکر کیا ہے ترمذی نے کہا: میں طویل عرصہ تک ان آیات کو پڑھتا رہا میرے لیے مراد اور معنی ظاہر نہ ہوا رَبَّنَا عَجِّلْ لَّنَا قِطَّنَا لغت میں قط سے مراد صحیفہ ہے کیونکہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انس پر تلاوت کی فَاَمَّا مَنْ اُوْتِیَ كِتٰبَهٗ بِیَمِیْنِهٖ ۝ (الانشقاق) حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں فرمایا: انکم ستجدون هذا كله فی صحائفكم تعطونها بشمالكم۔ انہوں نے عرض کی رَبَّنَا عَجِّلْ لَّنَا قِطَّنَا، قِطَّنَا سے مراد ہمارے صحیفے۔ قَبْلَ یَوْمِ الْحِسَابِ ۝ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اِصْبِرْ عَلٰى مَا یَقُوْلُوْنَ وَ اذْكُرْ عَبْدَنَا دَاوٗدَ ذَا الْاَیْدِ۔ ان کی خطا والے قصہ کو آخر تک بیان کیا میں کہا کرتا تھا جو ان کفار نے کہا اس پر صبر کا حکم دیا اور حضرت داؤد علیہ السلام کے ذکر کا حکم دیا تو اس ذکر سے کیا مراد ہے اس صبر اور حضرت داؤد علیہ السلام کے ذکر کو کیسے جوڑوں میں کسی ایسی چیز پر مطلع نہیں ہوتا تھا جو میرے دل کو سکون عطا کرے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے ایک دن ہدایت عطا فرمائی اور مجھے الہام کیا گیا کہ ان لوگوں نے ان کے قول کا انکار کیا ہے ان کی کتابیں ان کے بائیں ہاتھ میں دی جائیں گی ان میں ان کے گناہ اور خطائیں ہونگی انہوں نے یہ باتیں استہزاء کے طور پر کی تھیں انہوں نے کہا: رَبَّنَا عَجِّلْ لَّنَا قِطَّنَا قَبْلَ یَوْمِ الْحِسَابِ ۝ ان کے استہزاء نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دکھ دیا اللہ تعالیٰ نے ان کی گفتگو پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو صبر کا حکم دیا اور یہ حکم دیا کہ حضرت داؤد علیہ السلام کا ذکر کریں

جنہوں نے خطا کے بارے میں جلدی کی تھی کہ وہ اپنی خطا کو اپنی ہتھیلی میں نقش دیکھیں تو اس وجہ سے ان پر وہ مصیبت آئی جو مصیبت آئی جب حضرت داؤد علیہ السلام اسے دیکھتے تو پریشان ہو جاتے اور پیالہ ان کے آنسوؤں سے بھر جاتا جب آپ اس خطا کو دیکھتے تو روتے یہاں تک کہ وہ آنسو چھال سے بنے ان سات بستروں سے پار ہو جاتے جن میں راکھ بھری ہوئی تھی۔ حضرت داؤد علیہ السلام نے اس کا مطالبہ مغفرت اور خصمہ سے جو چٹی لازم آتی تھی اس کی ضمانت کے بعد یہ سوال کیا تھا جبکہ وہ اللہ کے حبیب، اس کے ولی اور صفی بھی تھے اس مرتبہ کے باوجود خطا کے نقش کو دیکھنا ان کے ساتھ یہ معاملہ کرتا تھا تو ان لوگوں کا کیا حال ہوتا جب یہی چیز اللہ تعالیٰ کے دشمنوں اور مخلوقات اور ذلیل ورسوا لوگوں میں سے کسی کو لاحق ہوتی اگر ان کے صحائف جلدی دے دیے جاتے تو ان خطاؤں کی سورتوں کو دیکھتے جو انہوں نے کفر وانکار کی صورت میں کیے اور ان پر کیا گزرتی جب وہ ان صحیفوں میں ان خطاؤں کو دیکھتے اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں خبر دی: فَتَرَى الْمُجْرِمِيْنَ مُشْفِقِيْنَ مِمَّا فِيْهِ وَيَقُوْلُوْنَ يٰوَيْلَتَنَا مَالِ هٰذَا الْكِتٰبِ لَا يُغَادِرُ صَغِيْرَةً وَّلَا كَبِيْرَةً اِلَّآ اَحْصٰهَا (الکہف: 49) حضرت داؤد علیہ السلام مغفرت، بشارت اور اللہ تعالیٰ کی مہربانی کے باوجود اپنی حالت پر نہ رہتے جبکہ ہم نے حدیث میں بیان کیا ہے جب قیامت کے روز وہ اپنی غلطی کو اپنی ہتھیلی میں نقش دیکھیں گے تو پریشان ہوں گے یہاں تک کہ اسے کہا جائے گا: یہاں یہاں پھر وہ اپنی خطا دیکھیں گے تو پریشان ہونگے پھر انہیں کہا جائے گا: یہاں یہاں پھر وہ اپنی خطا دیکھیں گے تو وہ مضطرب ہونگے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اسے قرب عطا کرے گا تو وہ سکون پا جائیں گے۔

يٰدَاوٗدُ اِنَّا جَعَلْنٰكَ خَلِيْفَةً فِى الْاَرْضِ فَاحْكُمْ بَيْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعِ الْهَوٰى فَيُضِلَّكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۭ اِنَّ الَّذِيْنَ يَضِلُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌۢ بِمَا نَسُوْا يَوْمَ الْحِسَابِ ﴿۲۶﴾

''اے داؤد! ہم نے مقرر کیا ہے آپ کو اپنا نائب زمین میں پس آپ فیصلہ کیا کرو لوگوں کے درمیان انصاف کے ساتھ اور نہ پیروی کیا کرو ہوائے نفس کی وہ بہکا دے گی تمہیں راہ خدا سے، بے شک جو لوگ بھٹک جاتے ہیں راہ خدا سے ان کے لیے سخت عذاب ہے اس لیے کہ انہوں نے بھلا دیا تھا یوم حساب کو''۔

اس میں پانچ مسائل ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ اِنَّا جَعَلْنٰكَ خَلِيْفَةً فِى الْاَرْضِ ہم نے تمہیں مالک بنایا تا کہ تو نیکی کا حکم دے اور برائی سے روکے تا کہ تو اپنے سے قبل انبیاء اور صالحین کی نیابت کرے۔ سورۂ بقرہ میں خلیفہ اور اس کے متعلقہ احکام مفصل گذر چکے ہیں۔ الحمد للہ۔

مسئلہ نمبر 2۔ فَاحْكُمْ بَيْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ لوگوں کے درمیان عدل سے فیصلہ کرو (1)۔ یہ امر وجوب کے لیے ہے، یہ کلام اپنے ماقبل کے ساتھ مربوط ہے۔ حضرت داؤد علیہ السلام کو عتاب اس وجہ سے کیا گیا تھا کیونکہ آپ نے ایک خاوند سے اس کی عورت کا مطالبہ کیا تھا یہ عدل نہ تھا اس کے بعد انہیں فرمایا گیا: لوگوں کے درمیان عدل سے فیصلہ کرو اور اپنی اس خواہش

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 90

کی اقتدا نہ کرو جو اللہ تعالیٰ کے امر کے خلاف ہے کہ وہ تجھے جنت کے راستے سے گمراہ کر دے جو لوگ اس راستہ کو چھوڑ دیتے ہیں ان کے لیے جہنم میں دردناک عذاب ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے اللہ کے راستہ پر چلنے کو ترک کیا۔ اللہ تعالیٰ کے فرمان نَسُوْا سے مراد ہے انہوں نے ایمان کو ترک کر دیا یا اس پر عمل کو ترک کر دیا (1) تو وہ بھولنے والوں کی طرح ہو گئے۔ ایک قول یہ کیا گیا: یہ حکم حضرت داؤد علیہ السلام کے لیے ہے جب اللہ تعالیٰ نے انہیں نبوت سے سرفراز فرمایا۔ ایک قول یہ کیا گیا: یہ حکم اس وقت ہوا جب ان کی توبہ قبول ہوگئی اور ان کی خطا معاف کر دی۔

مسئلہ نمبر 3۔ فیصلوں کے بارے میں اصل احکام یہ ہیں یٰدَاوٗدُ اِنَّا جَعَلْنٰكَ خَلِیْفَةً فِی الْاَرْضِ فَاحْكُمْ بَیْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ۔ وَ اَنِ احْكُمْ بَیْنَهُمْ بِمَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ (المائدہ:49) لِتَحْكُمَ بَیْنَ النَّاسِ بِمَاۤ اَرٰىكَ اللّٰهُ (النساء:105) یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِیْنَ لِلّٰهِ شُهَدَآءَ بِالْقِسْطِ (المائدہ:8) اس بارے میں گفتگو پہلے گزر چکی ہے۔

مسئلہ نمبر 4۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اللہ تعالیٰ کے فرمان: یٰدَاوٗدُ اِنَّا جَعَلْنٰكَ خَلِیْفَةً فِی الْاَرْضِ فَاحْكُمْ بَیْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ وَ لَا تَتَّبِعِ الْهَوٰى فَیُضِلَّكَ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ کے بارے میں کہا: اگر دو آدمی جھگڑا لے کر تیرے پاس آئیں ان دونوں میں سے کسی کے متعلق تمہارے دل میں میلان ہو تو اپنے دل میں یہ خواہش نہ کر کہ حق اس کے لیے ہوتا کہ وہ اپنے مدمقابل پر غالب آجائے اگر تو نے ایسا کیا تو میں تیرا نام نبوت سے خارج کر دوں گا پھر نہ تو تو میرا خلیفہ ہوگا اور نہ ہی اہل کرامت ہوگا۔ یہ امر اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ حق کے مطابق فیصلہ کرنا واجب ہے اور وہ دونوں فریقوں میں سے کسی فریق کی طرف قرابت نفع کی امید کی وجہ سے میلان نہ رکھے اور نہ کسی سبب کی طرف رجحان رکھے جو میلان کا تقاضا کریں جیسے صحبت، دوستی اور اس کے علاوہ دوسری چیزیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ حضرت سلیمان بن داؤد محض اس وجہ سے آزمائش میں مبتلا ہوئے کیونکہ ان کے پاس دو فریق آئے تو حضرت سلیمان نے اس خواہش کا اظہار کیا کہ حق فلاں کے لیے ہو۔

عبدالعزیز بن سداد نے کہا: مجھے یہ خبر پہنچی ہے کہ بنی اسرائیل کے دور میں ایک قاضی تھا وہ اپنی کوشش سے اس مقام تک جا پہنچا کہ اپنے رب سے اس کا مطالبہ کرے کہ اللہ تعالیٰ اپنے اور اس کے درمیان علامت بنا دے۔ جب وہ حق کا فیصلہ کرے تو وہ اسے پہچان جائے۔ جب وہ کوتاہی کرے تب بھی اسے پہچان لے۔ اسے کہا گیا: اپنے گھر داخل ہو جا پھر دیوار کے ساتھ اپنے ہاتھوں کو لمبا کر پھر دیکھ تیری انگلیاں کہاں تک پہنچتی ہیں وہاں ایک خط کھینچ لے جب تو مجلس قضا سے اٹھے تو اس خط کی طرف لوٹ اس کی طرف ہاتھ کو لمبا کر جب تو نے حق کے ساتھ فیصلہ کیا ہوگا تو وہ وہاں تک پہنچ جائے گا اگر تو نے حق میں کوتاہی کی ہوگی تو تیری انگلیاں نیچے رہ جائیں گی۔

وہ صبح کو قضا کے لیے جاتا جبکہ وہ مجتہد تھا وہ حق کے ساتھ ہی فیصلہ کرتا جب مجلس سے اٹھتا اور فارغ ہوتا نہ کھانا کھاتا اور نہ پانی پیتا نہ گھر والوں کا کوئی کام کرتا یہاں تک کہ اس خط کے پاس آتا جب اس خط تک پہنچ جاتا تو اللہ تعالیٰ کی حمد کرتا اور اللہ تعالیٰ

1۔ معالم التنزیل، جلد 4، صفحہ 602

نے اہل، کھانے اور پینے میں جس چیز کو حلال کیا تھا اس تک رسائی حاصل کرتا جب ایک دن وہ مجلس قضا میں مصروف تھا تو دو آدمی اس کے پاس آئے جو اس سے فیصلہ کے طالب تھے اس کے دل میں خیال آیا کہ وہ دونوں اس کے پاس (قضیہ) پیش کرنا چاہتے ہیں ان میں سے ایک اس کا دوست تھا اس قاضی کا دل اس محبت کی وجہ سے متحرک ہوا کہ حق اس کے دوست کے حق میں ہوتا کہ وہ اس کے حق میں فیصلہ کرے جب دونوں نے گفتگو کی تو حق دوست کے خلاف چلا گیا تو اس نے دوست کے خلاف فیصلہ کر دیا۔ جب وہ مجلس قضا سے اٹھا تو اس خط کی طرف گیا جس طرح ہر روز جایا کرتا تھا تو اس نے خط کی طرف ہاتھ بڑھایا تو خط دور چلا گیا یہاں تک کہ وہ چھت تک سمٹ گیا وہ اس تک نہیں پہنچ پا رہا تھا تو وہ سجدہ میں گر گیا وہ کہہ رہا تھا: اے میرے رب! میں نے کوئی گناہ کا کام نہیں کیا اور نہ میں نے ارادہ کیا ہے جو ہے اسے میرے لیے واضح کر دے۔ اسے کہا گیا: کیا تو یہ گمان کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ تیرے دل کی خیانت پر آگاہ نہیں جب تو نے چاہا تھا کہ حق تیرے دوست کے حق میں ہوتا کہ تو اس کے حق میں فیصلہ کرے، تو نے اس کا ارادہ کیا تھا اور تو نے یہ پسند کیا تھا لیکن اللہ تعالیٰ نے حق حقدار کو لوٹا دیا جبکہ تو یہ ناپسند کرتا تھا۔

لیث سے مروی ہے: حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی خدمت میں دو آدمی جھگڑا لے کر حاضر ہوئے، آپ نے ان دونوں کو اٹھا دیا، پھر وہ واپس لوٹے تو آپ نے ان دونوں کو اٹھا دیا پھر وہ لوٹے تو آپ نے ان دونوں کے درمیان فیصلہ کر دیا تو آپ کی خدمت میں عرض کی گئی۔ فرمایا: وہ دونوں میرے پاس آئے تو میں نے ان دونوں میں سے ایک کے حق میں وہ چیز پائی جو میں نے دوسرے کے حق میں نہ پائی تھی تو میں نے ان دونوں کے درمیان فیصلہ کرنے کو ناپسند کیا، وہ پھر واپس آئے تو میں نے ایک کے لیے کچھ ایسے ہی جذبات پائے وہ پھر آئے جبکہ وہ چیز جا چکی تھی تو میں نے دونوں کے درمیان فیصلہ کر دیا۔

شعبی نے کہا: حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت اُبی کے درمیان کوئی جھگڑا تھا دونوں نے حضرت زید بن ثابت سے فیصلہ کرانا چاہا جب دونوں حضرت زید بن ثابت کی خدمت میں حاضر ہوئے تو حضرت زید نے حضرت عمر کو اپنے تکیہ کی طرف اشارہ کیا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: یہ تیرا پہلا ظلم ہے، مجھے اور اسے ایک ہی مجلس میں بٹھاؤ، تو دونوں حضرت زید کے سامنے بیٹھ گئے۔

مسئلہ نمبر 5۔ یہ آیت اس امر سے منع کرتی ہے کہ حاکم اپنے علم سے فیصلہ کرے کیونکہ حاکموں کو اگر یہ اجازت دی جائے کہ وہ اپنے علم کے مطابق فیصلہ کریں تو جب ان میں سے کوئی اپنے دوست کی حفاظت اور اپنے دشمن کی ہلاکت کا ارادہ کرے گا تو وہ اپنے فیصلہ کے بارے میں اپنے علم کا دعویٰ کر دے گا۔ اس کی مثل صحابہ کی ایک جماعت سے مروی ہے، اس میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں: اگر میں کسی آدمی کو دیکھوں کہ اس پر حدود اللہ میں سے کوئی حد جاری ہوتی ہے تو میں اس کا مواخذہ نہ کروں گا یہاں تک کہ کوئی اور آدمی میرے پاس گواہی دے۔

روایت بیان کی جاتی ہے کہ ایک عورت حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئی اس نے عرض کی: فلاں کے خلاف میرے دعویٰ کا فیصلہ کر دیجئے کیونکہ آپ جانتے ہیں کہ میرا فلاں پر حق ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اگر تو یہ ارادہ کرے کہ میں تیرے حق میں گواہی دوں تو ٹھیک ہے جہاں تک فیصلہ کا تعلق ہے تو میں ایسا نہیں کروں گا۔

صحیح مسلم میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک قسم اور ایک گواہ کی وجہ سے فیصلہ کیا۔

یہ روایت بیان کی گئی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ایک گھوڑا خریدا تو بیچنے والے نے انکار کر دیا حضور ﷺ نے اپنے علم کی بنا پر اس کے خلاف فیصلہ نہ کیا حضرت خذیمہ اٹھے انہوں نے حضور ﷺ کے حق میں گواہی دی تو حضور ﷺ نے فیصلہ کیا اس حدیث کو ابوداؤد اور دوسرے علماء نے بیان کیا ہے۔ سورۂ بقرۃ میں یہ بحث گذر چکی ہے(1)۔

وَ مَا خَلَقْنَا السَّمَآءَ وَ الْاَرْضَ وَ مَا بَیْنَهُمَا بَاطِلًا ؕ ذٰلِكَ ظَنُّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا ۚ فَوَیْلٌ لِّلَّذِیْنَ كَفَرُوْا مِنَ النَّارِ ؕ﴿۲۷﴾ اَمْ نَجْعَلُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ كَالْمُفْسِدِیْنَ فِی الْاَرْضِ ۫ اَمْ نَجْعَلُ الْمُتَّقِیْنَ كَالْفُجَّارِ ﴿۲۸﴾ كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَیْكَ مُبٰرَكٌ لِّیَدَّبَّرُوْۤا اٰیٰتِهٖ وَ لِیَتَذَكَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِ ﴿۲۹﴾

''اور نہیں پیدا کیا ہم نے آسمان اور زمین کو اور جو کچھ ان کے درمیان ہے بے فائدہ، یہ تو کفار کا گمان ہے پس بربادی ہے کفار کے لیے آگ کے عذاب سے۔ کیا ہم بنادیں گے انہیں جو ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے ان لوگوں کی مانند جو فساد برپا کرتے ہیں زمین میں یا ہم بنادیں گے پرہیز گاروں کو فاجروں کی طرح۔ یہ کتاب ہے جو ہم نے اتاری آپ کی طرف بڑی بابرکت تاکہ وہ تدبر کریں اس کی آیتوں میں اور تاکہ نصیحت پکڑیں عقلمند''۔

بَاطِلًا سے مراد بے مقصد اور کھیل تماشا ہے یعنی ہم نے آسمان اور زمین کو محض امر صحیح کے لیے پیدا کیا ہے وہ ہماری قدرت پر دلالت ہے یہ کفار کا گمان ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان چیزوں کو باطل پیدا کیا ہے۔

کفار کو شرمندہ کرنے کے لیے فرمایا: اَمْ نَجْعَلُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا۔ ام میں میم زائدہ ہے تقدیر کلام یہ ہے أنجعل الذين اس آیت میں مرتبہ کارد ہے کیونکہ وہ کہتے ہیں: یہ جائز ہے کہ مفسد، صالح کی طرح ہو یا اس سے درجہ میں بلند ہو بعد والی کلام نَجْعَلُ الْمُتَّقِیْنَ كَالْفُجَّارِ بھی اسی طرح ہے یعنی کیا ہم سرور دو عالم ﷺ کے صحابہ کو کفار کی طرح بنادیں گے؛ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ متقین، فجار اور کفار کو عام ہے۔ یہ تعبیر سب سے اچھی ہے جو دوبارہ اٹھائے جانے کا انکار کرتے ہیں ان کا بھی اس میں رد ہے جنہوں نے مطیع اور عاصی کا ٹھکانا ایک چیز بنایا ہے۔

كِتٰبٌ یہ خبر ہے اس کا مبتدا محذوف ہے لِّیَدَّبَّرُوْۤا اصل میں لیتدبروا تھا تاء کو دال میں مدغم کیا گیا ہے اس میں یہ دلیل ہے کہ قرآن کے معانی کی معرفت واجب ہے اور اس میں یہ دلیل موجود ہے کہ ٹھہر ٹھہر کر پڑھنا تیز پڑھنے سے افضل ہے جس طرح ہم نے کتاب التذکار میں بیان کیا ہے تیز پڑھنے کی صورت میں تدبر نہیں ہوسکتا۔

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: آیات میں تدبر سے مراد ان کی اتباع ہے(2) عام قراءت لیدبروا ہے۔ ابوجعفر اور شیبہ نے لیدبروا یعنی دال کی تخفیف کے ساتھ پڑھا ہے؛ حضرت علی شیر خدا کی قراءت بھی یہی ہے اصل میں لتتدبروا تھا

1۔ ابوداؤد، کتاب الاقضیۃ باب اذا علم الحاکم صدق الشاھد والواحد یجوز لہ ان یحکم بہ، حدیث نمبر 3130، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

2۔ تفسیر الحسن البصری، جلد 4، صفحہ 383

تخفیف کی وجہ سے ایک تاء حذف ہے۔

اُولُوا الْاَلْبَابِ سے مراد اصحاب عقول ہیں اس کا واحد لب ہے اس کی جمع اَلُب بھی آتی ہے جس طرح بؤس کی جمع ابؤس آتی ہے اور نعم کی جمع انعم آتی ہے۔ ابو طالب نے کہا:

قلبی الیہ مُشْرِفُ الأَلُبِّ

محل استدلال الب ہے بعض اوقات ضرورت شعری کی بنا پر تضعیف کو ظاہر کرتے ہیں کمیت نے کہا:

الیکم ذوی آلِ النَّبِیِّ تَطَلَّعت نوازِعُ من قلبِی ظِماءٌ وَأَلبُبُ

محل استدلال البب ہے۔

وَ وَهَبْنَا لِدَاوٗدَ سُلَیْمٰنَ ؕ نِعْمَ الْعَبْدُ ؕ اِنَّهٗۤ اَوَّابٌ ؕ﴿۳۰﴾ اِذْ عُرِضَ عَلَیْهِ بِالْعَشِیِّ الصّٰفِنٰتُ الْجِیَادُ ۙ﴿۳۱﴾ فَقَالَ اِنِّیْۤ اَحْبَبْتُ حُبَّ الْخَیْرِ عَنْ ذِكْرِ رَبِّیْ ۚ حَتّٰی تَوَارَتْ بِالْحِجَابِ ۟﴿۳۲﴾ رُدُّوْهَا عَلَیَّ ؕ فَطَفِقَ مَسْحًۢا بِالسُّوْقِ وَ الْاَعْنَاقِ ﴿۳۳﴾

"اور ہم نے عطا فرمایا داؤد کو سلیمان جیسا فرزند بڑی خوبیوں والا بندہ بہت رجوع کرنے والا، جب پیش کئے گئے آپ پر سہ پہر کو تین پاؤں پر کھڑے ہونے والے تیز رفتار گھوڑے تو آپ نے کہا: مجھے ان گھوڑوں کی محبت پسند آئی ہے اپنے رب کی یاد کے لیے پھر انہیں چلانے کا حکم دیا یہاں تک کہ چھپ گئے پردہ کے پیچھے (حکم دیا) واپس لاؤ انہیں میرے پاس تو ہاتھ پھیرنے لگے ان کی پنڈلیوں اور گردنوں پر"۔

جب حضرت داؤد علیہ السلام کا ذکر کر چکے تو حضرت سلیمان السلام کا ذکر کیا۔ اَوَّابٌ کا معنی مطیع ہے اَلْجِیَادُ کا معنی گھوڑے ہیں یہ جواد کی جمع ہے جس کا معنی گھوڑا ہے جس طرح انسان کو جواد کہتے ہیں جب وہ طبعاً بہت ہی سخی ہو یہ کہا جاتا ہے: قوم اجواد خیل جیاد یہ بھی کہا جاتا ہے: جاد الرجل بمالہ یجود جُودا فھو جواد۔ یعنی آدمی اپنے مال کے ساتھ سخاوت کرتا ہے قوم جود جس طرح قَذال کی جمع قُذُل آتی ہے یہاں واؤ کو ساکن کر دیا گیا ہے کیونکہ یہ حرف علت ہے اس کی جمع أجواد، اجاود، جُوداہ بھی آتی ہے اسی طرح یہ کہتے ہیں: امراۃ جواد، نسوۃ جود جس طرح نوار اور نور آتی ہے شاعر نے کہا:

صناعٌ بِاشفاها حصانٌ بِشَکْرِها جوادٌ بِقُوتِ البَطْنِ والعِرْقِ زاخِرُ

محل استدلال جواد ہے جب اسے شدید بھوک لگی ہوتی ہے تب اپنے بطن کی قوت کو بھی سخاوت کرنے والی ہے اور تو کہتا ہے: سِرنا عُقْبَۃً جوادا و عُقْبتین جَوادین وعُقَبا جِیادا۔ یہ کہا جاتا ہے: جاد الفرس یعنی وہ خوبصورت ہوگیا یجود جُودۃ فھو جواد یہ جواد کا لفظ مذکر اور مؤنث دونوں کے لیے استعمال ہوتا ہے اسے یوں بھی استعمال کیا جاتا ہے خیل جیاد و اجیا دوا جاوید۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے مراد لمبی گردن والے ہیں یہ جید سے مشتق ہے جس کا معنی گردن ہے کیونکہ گھوڑوں میں گردنوں کا لمبا ہونا ان کی عمدگی کی صفات ہیں اَلصّٰفِنٰتُ میں دو وجہیں ہیں۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ ان کی صفون سے مراد ان کا کھڑا ہونا ہے۔ قتبی اور فراء نے کہا کہ کلام عرب میں صافن سے مراد کھڑا ہونا ہے وہ گھوڑے ہوں یا کوئی

اور چیز ہو اسی معنی میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت مروی ہے من سرّہ ان یقوم له الرجال صفونا فلیتبوأ مقعدہ من النار (1) جسے یہ بات خوش کرے کہ لوگ اس کے لیے کھڑے ہی رہیں تو وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنالے قطرب نے بھی یہی معنی بیان کیا ہے اور نابغہ کا قول ذکر کیا ہے:

لنا　قُبَّةٌ　مَضْروبةٌ　بِفنائها　　عِتاقُ المَهاری والجِیادُ الصَّوافن(2)

ہمارا ایک قبہ تھا جوان کے صحن میں لگا ہوا تھا اعلیٰ نسل کے بچھیرے اور ہمیشہ کھڑے رہنے والے عمدہ گھوڑے؛

یہ قتادہ کا قول ہے۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ صفون سے مراد یہ ہے کہ دونوں اگلے پاؤں میں سے ایک کے کھر کو اٹھانا یہاں تک کہ باقی تین پاؤں پر کھڑا ہونا جس طرح شاعر نے کہا:

أَلِفَ الصُّفونَ فما يَزالُ كَأَنَّهُ　　مِمّا يقومُ على الثَّلاثِ كَسِيرا

عمرو بن کلثوم نے کہا:

تَرَكْنا الخيل عاكِفَةٌ عَلَيهِ　　مُقَلَّدَةٌ أَعِنَّتَها صُفونا

''ہم نے گھوڑوں کو اس پر جھکے ہوئے دیکھا ہے ان کی لگامیں ان کا قلادہ تھیں وہ تین پاؤں پر کھڑے تھے'' یہ مجاہد کا قول ہے۔ کلبی نے کہا: حضرت سلیمان علیہ السلام نے اہل دمشق اور نصیبین سے جنگ کی تو ان سے ایک ہزار گھوڑے پائے (3)۔ مقاتل نے کہا: حضرت سلیمان علیہ السلام اپنے باپ سے ایک ہزار گھوڑوں کے وارث ہوئے ان کے والد نے یہ گھوڑے عمالقہ سے حاصل کیے تھے۔ حضرت حسن بصری نے کہا: مجھے یہ خبر پہنچی ہے کہ وہ ایسے گھوڑے تھے جو سمندر سے نکلے تھے (4)؛ ان کے پر تھے یہ ضحاک کا قول ہے۔ وہ ایسے گھوڑے تھے جو حضرت سلیمان علیہ السلام کے لیے سمندر سے نکالے گئے تھے وہ منقوش تھے وہ پہلے پروں والے تھے۔ ابن زید نے کہا: شیطان نے حضرت سلیمان علیہ السلام کے لیے سمندر سے گھوڑے نکالے تھے جن کے پر تھے حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ نے بھی اسی طرح کہا: وہ بیس گھوڑے تھے جو پروں والے تھے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ سو گھوڑے تھے۔ ایک روایت میں ابراہیم تیمی سے یہ بھی مروی ہے کہ وہ گھوڑے بیس ہزار تھے۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

اِنِّیۡۤ اَحۡبَبۡتُ حُبَّ الۡخَیۡرِ عَنۡ ذِکۡرِ رَبِّیۡ۔ الخیر سے مراد گھوڑے ہیں عرب انہیں یہی نام دیتے ہیں وہ راء اور لام کو یکے بعد دیگرے لاتے ہیں تو کہتا ہے: اِنهملتِ العینُ، اِنهمرتْ، ختلتُ وخترتُ جب تو دھوکہ دے۔ دونوں جگہ پر لام اور راء ایک دوسرے کی جگہ استعمال ہوئے ہیں۔ فراء نے کہا: کلام عرب میں خیر اور خیل ایک ہی چیز ہے۔ نحاس نے کہا: حدیث طیبہ میں ہے کہ الخیل معقود فی نواصیها الخیر الی یوم القیامة (5) گھوڑوں کی پیشانیوں میں قیامت تک کے لیے بھلائی رکھ دی گئی ہے گویا گھوڑوں کو خیر اسی وجہ سے کہا جاتا ہے حدیث میں ہے کہ جب زید الخیل نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 91　　2۔ ایضاً، جلد 5، صفحہ 92　　3۔ معالم التنزیل، جلد 4، صفحہ 603

4۔ تفسیر الکشاف، جلد 4، صفحہ 91　　5۔ ایضاً، جلد 4، صفحہ 93

ہوئے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا انت زید الخیروہ حقیقت میں زید بن مہلہل شاعر تھا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: انہیں خیر اس لیے نام دیا گیا کیونکہ اس کی ذات میں کئی منافع تھے۔ حدیث طیبہ میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام پر تمام جانور پیش کیے ان سے کہا گیا: ان میں سے ایک کا انتخاب کرلیں تو انہوں نے گھوڑا پسند کیا تو انہیں کہا گیا: تم نے اپنی ذات کو اختیار کیا ہے تو اسی وجہ سے اس کا نام خیر پڑ گیا اور اسے خیل کا نام دیا گیا کیونکہ یہ قوت اور غلبہ کے ساتھ موسوم ہے۔ اسے فرس اس لیے نام دیا گیا کیونکہ یہ فضا کی مسافتوں کو چیرتا ہے جس طرح شیر شکار کو چیر پھاڑ دیتا ہے اور ان مسافتوں کو یوں طے کرتا ہے جس طرح وہ اپنے دونوں ہاتھوں سے ہر شے کو لقمہ بنالیتا ہے۔ اسے عربی نام اس لیے دیا گیا ہے کیونکہ حضرت آدم علیہ السلام کے بعد حضرت اسماعیل علیہ السلام کو بیت اللہ شریف کی تعمیر کی جزا کے طور پر دیا گیا حضرت اسماعیل عربی تھے تو یہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے ان کے لیے عطیہ تھا تو اس گھوڑے کو عربی کہا گیا: لفظ حب فراء کے قول کے مطابق مفعول ہے معنی ہے انی أثرت حب الخیر فالھانی عن ذکر ربی میں نے گھوڑوں کی محبت کو ترجیح دی تو اس محبت نے مجھے میرے رب کے ذکر سے غافل کردیا۔

دوسرے علماء اسے مفعول مطلق تسلیم کرتے ہیں جو مفعول کی اضافت ہے تو تقدیر کلام یہ ہوگی یعنی أحببت الخیر حبا فالھانی عن ذکر ربی ایک قول یہ کیا گیا: أحببت کا معنی ہے میں بیٹھ گیا اور پیچھے ہٹ گیا؛ یہ عربوں کے اس قول سے ماخوذ ہے احب البعیر یہ جملہ اس وقت کہتے ہیں جب وہ بیٹھ جائے اور پیچھے ہٹ جائے أحب فلان اس نے اپنا سر جھکایا۔ ابو زید نے کہا یہ جملہ بولا جاتا ہے: بعیر محب، وقد أحب احبابا یہ اس وقت بولتے ہیں جب اسے کوئی مرض لاحق ہو یا عضو ٹوٹ جائے وہ اپنی جگہ سے نہ ہلے یہاں تک کہ وہ درست ہوجائے یا مرجائے۔ ثعلب نے کہا: بعیر حسیر کے لیے کہا جاتا ہے محب معنی ہوگا تو میرے رب کے ذکر سے بیٹھ گیا اس تعبیر کی بنا پر حب کا لفظ مفعول لہ ہوگا۔ ابو فتح ہمدانی نے کتاب التبیان میں یہ ذکر کیا ہے۔ احببت یہ لزمت کے معنی میں ہے اسی معنی میں شاعر کا قول ہے:

مِثْلَ بَعِيرِ السُّوءِ إِذْ أَحَبَّا

اس برے اونٹ کی مثل جب وہ ایک جگہ کو لازم پکڑے۔

حَتّٰى تَوَارَتْ بِالْحِجَابِ ﴿۳۲﴾ یعنی سورج چھپ گیا۔ یہاں ذکر کے بغیر ضمیر ذکر کی جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: **مَا تَرَكَ عَلٰى ظَهْرِهَا مِنْ دَآبَّةٍ** (فاطر: 45) اس میں ھا ضمیر سے مراد الارض ہے عرب کہتے ہیں: ھاجبت باردۃ معنی ہے ھاجت الریح باردۃ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: **فَلَوْلَآ اِذَا بَلَغَتِ الْحُلْقُوْمَ ﴿۸۳﴾** (الواقعہ) یعنی نفس حلقوم تک جا پہنچی اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: **اِنَّهَا تَرْمِيْ بِشَرَرٍ كَالْقَصْرِ ﴿۳۲﴾** (المرسلات) یہاں نار کا ذکر پہلے نہیں ہوا۔ زجاج نے کہا: ضمیر کا ذکر کرنا جائز نہیں جب کسی چیز کا ذکر ہوا ہو یا دلیل کا ذکر ہوا ہو یہاں دلیل موجود ہے وہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔

بِالْعَشِيِّ عشی سے مراد زوال کے بعد کا وقت ہے تواری سے مراد آنکھوں سے چھپ جانا ہے، حجاب سے مراد سبز پہاڑ ہے جو تمام مخلوق کو محیط ہے (1)؛ یہ قتادہ اور کعب کا قول ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ جبل قاف ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے:

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 93

یہ ایسا پہاڑ ہے جو قاف کے علاوہ ہے۔ حجاب سے مراد رات ہے۔ اسے حجاب اس لیے کہتے ہیں کیونکہ اس چیز کو چھپا لیتی ہے جو اس میں ہو۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے حَتّٰی تَوَارَتْ سے مراد گھوڑے دوڑ میں چھپ جاتے ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کا ایک گول میدان تھا جس میں گھوڑوں میں مقابلہ کرایا جاتا یہاں تک کہ وہ مسابقت میں آپ کی آنکھ سے چھپ جاتے کیونکہ سورج کا پہلے ذکر نہیں ہوا۔

نحاس نے ذکر کیا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نماز میں تھے آپ کی خدمت میں گھوڑے لائے گئے تاکہ آپ کی خدمت میں پیش کیے جائیں جو غنیمت کے طور پر حاصل ہوئے تھے تو آپ نے اپنے ہاتھ سے اشارہ کیا یہاں تک کہ گھوڑے چھپ گئے اصطبلوں کی دیواروں نے انہیں چھپا دیا جب نماز سے فارغ ہوئے تو فرمایا: رُدُّوْهَا عَلَیَّ ؕ فَطَفِقَ مَسْحًۢا یعنی ان پر ہاتھ پھیرنے لگے اس کے معنی میں دو قول ہیں: آپ ان کی گردنوں اور پنڈلیوں پر ہاتھ پھیرنے لگے تاکہ ان کی تکریم کا اہتمام کریں اور یہ بتانا چاہتے تھے کہ معزز آدمی کے لیے یہ کوئی قبیح نہیں کہ وہ اپنے گھوڑوں کے ساتھ یہ معاملہ کرے۔ اس قول کے کرنے والے نے یہ کہا: وہ کیسے قتل کر سکتے ہیں؟ جبکہ اس میں مال برباد کرنا اور جس کا کوئی گناہ نہ ہو اسے سزا دینا لازم آتا ہے۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ یہاں مسح سے مراد قتل کرنا ہے آپ کو قتل کی اجازت دی گئی تھی۔ حضرت حسن بصری، کلبی اور مقاتل نے کہا: حضرت سلیمان علیہ السلام نے پہلے نماز پڑھی اور اپنی کرسی پر بیٹھ گئے جبکہ گھوڑے آپ پر پیش کیے جا رہے تھے وہ ایک ہزار گھوڑے تھے آپ پر نو سو گھوڑے پیش کیے جا چکے تھے تو آپ نماز عصر کے لیے متوجہ ہوئے جب کہ سورج غروب ہو چکا تھا اور نماز فوت ہو گئی تھی آپ کی ہیبت کی وجہ سے آپ کو آگاہ نہ کیا گیا تو آپ غمگین ہوئے تو فرمایا: انہیں میرے پاس لاؤ تو گھوڑوں کو آپ پر دوبارہ پیش کیا گیا تو آپ نے اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر ان کی کونچیں کاٹ دیں ان میں سے سو گھوڑے بچ گئے آج لوگوں کے پاس جو اعلیٰ نسل کے گھوڑے ہیں وہ انہیں گھوڑوں کی نسل میں سے ہیں۔ قشیری نے کہا: ایک قول یہ کیا گیا ہے اس وقت نہ ظہر کی نماز تھی اور نہ عصر کی نماز ہوتی تھی بلکہ وہ نماز نفلی نماز تھی تو آپ اس سے غافل ہو گئے۔

حضرت سلیمان علیہ السلام بڑے جاہ و جلال والے تھے تو کسی نے بھی انہیں آگاہ نہیں کیا خواہ وہ فرض نماز تھی یا نفل نماز تھی تو انہوں نے گمان کیا کہ یہ تاخیر مباح ہے تو حضرت سلیمان علیہ السلام نے وہ فوت شدہ نماز یاد کی اور بطور افسوس کہا: اِنِّیْۤ اَحْبَبْتُ حُبَّ الْخَیْرِ عَنْ ذِكْرِ رَبِّیْ یہاں ذکر سے مراد نماز ہے (1)۔ آپ نے گھوڑوں کو لوٹانے کا حکم دیا اور ان کی کونچیں اور ان کی گردنیں مارنے کا حکم دیا، یہ کوئی گھوڑے کو عذاب دینا نہیں تھا جب جانوروں کا گوشت کھایا جاتا ہو تو ان جانوروں کو ذبح کرنا جائز ہوتا ہے بلکہ اپنے آپ کو مشقت میں ڈالا تاکہ اس کے بعد گھوڑے آپ کو نماز سے غافل نہ کریں شاید آپ نے ان کی کونچیں اس لیے کاٹیں تاکہ ان کو ذبح کریں آپ نے انہیں بھاگنے سے روکنے کے لیے ان کی کونچیں کاٹ ڈالیں پھر انہیں اسی وقت ذبح کر دیا تاکہ ان کا گوشت صدقہ کریں یا ان کی شریعت میں یہ امر مباح تھا تو جس چیز نے آپ کو اللہ کے ذکر سے غافل کر دیا اس کو تلف کر دیا تاکہ اس چیز کا تعلق اپنے آپ سے ختم کر دیں جس نے انہیں اللہ تعالیٰ سے غافل کر دیا تھا اللہ تعالیٰ نے

1۔ معالم التنزیل، جلد 4، صفحہ 603

اس وجہ سے ان کی تعریف کی اور واضح کیا کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے بدلہ میں انہیں یہ بدلہ دیا کہ ان کے لیے ہوا کو مسخر کر دیا آپ ہوا کے دوش پر ایک دن میں اتنا سفر طے کر لیتے جتنا سفر گھوڑے پر دو ماہ صبح و شام سفر کرتے ہوئے طے کرتے تھے۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے فرمان: رُدُّوْهَا عَلَيَّ میں ھاء سورج کے لیے ہے گھوڑوں کے لیے نہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: میں نے حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ سے اس آیت کے بارے میں پوچھا آپ نے فرمایا: تجھے اس بارے میں کیا خبر پہنچی ہے؟ میں نے کہا: میں نے کعب کو کہتے ہوئے سنا ہے جب حضرت سلیمان علیہ السلام گھوڑے کے معائنہ میں مصروف ہو گئے یہاں تک کہ سورج حجاب میں چھپ گیا اور ان سے نماز فوت ہو گئی کہا: اِنِّیْۤ اَحْبَبْتُ حُبَّ الْخَیْرِ عَنْ ذِكْرِ رَبِّیْ یعنی میں نے ترجیح دی گھوڑوں کی محبت کو اپنے رب کے ذکر سے رُدُّوْهَا عَلَيَّ یعنی گھوڑوں کو مجھ پر واپس لوٹا دو۔ گھوڑے چودہ تھے تو آپ نے ان کی پنڈلیوں اور گردنوں کو تلوار سے کاٹ دیا اللہ تعالیٰ نے چودہ دن تک ان سے حکومت کو چھین لیا کیونکہ انہوں نے گھوڑوں پر ظلم کیا تھا۔ حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ نے کہا: کعب نے جھوٹ بولا لیکن حضرت سلیمان علیہ السلام جہاد کی تیاری کی وجہ سے گھوڑوں کے معائنہ میں مصروف رہے یہاں تک کہ سورج غروب ہو گیا آپ نے اللہ تعالیٰ کے اذن سے ان فرشتوں کو حکم دیا جو سورج پر معین ہیں: سورج کو لوٹاؤ تو فرشتوں نے سورج کو ان پر لوٹا دیا یہاں تک کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے عصر کے وقت نماز پڑھی اللہ تعالیٰ کے انبیاء ظلم نہیں کرتے کیونکہ وہ معصوم ہیں۔

میں کہتا ہوں: اکثر مفسرین کی رائے یہ ہے کہ جو چیز حجاب میں چھپی تھی وہ سورج تھا اور سورج کے ذکر کو ترک کر دیا کیونکہ منافع کے لیے اس پر دلالت موجود ہے کیونکہ اسے ذکر کیا گیا ہے جس کا سورج کے ساتھ تعلق ہے جس طرح اس کا بیان گذر چکا ہے اکثر لوگ سورج کو ذکر کیے بغیر مضمر کر دیتے ہیں۔ لبید نے کہا:

حتّٰی إذا أَلقَتْ یَدًا فی کافِرٍ وأَجَنَّ عَوْرَاتِ الثُّغُورِ ظَلامُھا(1)

اس شعر میں بھی الشمس کے لیے ہے اور اس کے ذکر سے پہلے ضمیر لائی گئی ہے۔

ردوھا میں ھا گھوڑوں کے لیے ہے اور ان پر ہاتھ پھیرنے سے زہری اور ابن کیسان نے یہ مراد لیا ہے کہ آپ ان کی پنڈلیوں اور ان کی گردنوں پر ہاتھ پھیرتے اور ان سے غبار کو دور کرتے کیونکہ آپ کو گھوڑوں سے محبت تھی؛ یہ حضرت حسن بصری، قتادہ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا ہے۔ حدیث طیبہ میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب دکھایا گیا جبکہ آپ اپنے گھوڑے کو اپنی چادر سے پونچھ رہے تھے اور فرمایا: ''آج رات مجھے گھوڑوں کے بارے میں عتاب کیا گیا(2)'' موطا میں یحییٰ بن سعید سے مرسل روایت نقل کی گئی ہے اور موطا کے علاوہ میں مسند اور متصل سند سے مروی ہے امام مالک، یحییٰ بن سعید سے وہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کرتے ہیں سورۃ الانفال میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گذر چکا ہے۔ وامسحوا ابنواصیھا واکفالھا ابن وہب نے امام مالک سے روایت نقل کی ہے کہ آپ نے ان کی گردنوں اور پنڈلیوں کو تلواروں سے کاٹ دیا۔

میں کہتا ہوں: شبلی اور دوسرے صوفیاء نے حضرت سلیمان علیہ السلام کے اسی فعل سے کپڑوں کے پھاڑ دینے کا استدلال

1۔ تفسیر حسن بصری، جلد 4، صفحہ 384 2۔ موطا امام مالک، کتاب الجہاد، ماجاء فی الخیل والمسابقۃ، صفحہ 481

کیا ہے۔ یہ استدلال فاسد ہے کیونکہ یہ جائز نہیں کہ نبی معصوم کی طرف یہ منسوب کیا جائے کہ اس نے فساد والا فعل کیا ہے۔
مفسرین نے آیت کے معنی میں اختلاف کیا ہے۔ ان میں سے کسی نے کہا: آپ نے گھوڑوں کی تکریم کی خاطر ان کی گردنوں اور ان کی پنڈلیوں پر ہاتھ پھیرا اور کہا: تو اللہ تعالیٰ کی راہ میں وقف ہے تو یہ اچھا عمل ہے۔ ان میں سے کچھ نے کہا: آپ نے ان کی کونچیں کاٹیں پھر انہیں ذبح کر دیا۔ گھوڑوں کو ذبح کرنا اور ان کا گوشت کھانا جائز ہے۔ سورۂ نحل میں اس کی وضاحت گذر چکی ہے۔ اس تعبیر کی بنا پر آپ نے کوئی ایسا عمل نہیں کیا جس پر قدغن لگائی جا سکتی ہو۔ جہاں تک صحیح کپڑے کے پھاڑنے کا تعلق ہے جبکہ غرض صحیح نہ ہو تو یہ جائز نہیں۔ یہ بھی جائز ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے جو کیا ہو وہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی شریعت میں جائز ہو جبکہ یہ ہماری شریعت میں جائز نہیں۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: آپ نے گھوڑوں کے ساتھ جو بھی کیا اللہ تعالیٰ نے آپ کے لیے مباح کر دیا تھا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے گھوڑوں کے مسح کرنے سے مراد کاویہ سے انہیں نشان لگانا ہے اور انہیں اللہ تعالیٰ کی راہ میں معین کرنا ہے۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔ اس قول کو ضعیف قرار دیا گیا ہے کیونکہ پنڈلیاں کسی حال میں بھی نشان لگانے کا محل نہیں۔ یہ بات بھی کہی جاتی ہے: پنڈلی پر کاویہ سے نشان لگانا علاط کہلاتا ہے اور گردن پر نشان لگانا وثاق کہلاتا ہے۔ جوہری کی صحاح میں ہے عَلَطَ البعیرَ عَلْطًا اس نے اونٹ کی گردن میں نشان لگایا۔ علاطان سے مراد گردن کی دونوں جانبیں ہیں۔

میں کہتا ہوں: رُدُّوْهَا میں ھا ضمیر کو جس نے سورج کی طرف لوٹایا ہے تو یہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے معجزات میں سے ہے۔ اسی کی مثل ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے بھی واقع ہوا امام طحاوی نے مشکل الحدیث میں حضرت اسماء بنت عمیس سے دو سندوں سے روایت نقل کی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف وحی کی جا رہی تھی جبکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا سر مبارک حضرت علی شیر خدا کی گود میں تھا۔ حضرت علی شیر خدا نے عصر کی نماز نہ پڑھی تھی یہاں تک کہ سورج غروب ہو گیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: ''اے علی! کیا تو نے نماز پڑھی ہے؟'' عرض کی: نہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''اے اللہ! اگر یہ تیری اطاعت اور تیرے رسول کی اطاعت میں تھا تو سورج کو اس پر لوٹا دے''۔ حضرت اسماء نے کہا: میں نے اسے غروب ہوتا ہوا دیکھا تھا پھر میں نے غروب ہونے کے بعد پہاڑوں اور زمین پر اسے طلوع حالت میں دیکھا جبکہ آپ خیبر میں صہباء کے مقام پر تھے۔

امام طحاوی نے کہا: یہ دونوں حدیثیں ثابت ہیں ثقہ لوگوں نے انہیں روایت کیا ہے۔

میں کہتا ہوں: ابو فرج ابن جوزی نے اس حدیث کو ضعیف قرار دیا ہے کہا: حضرت علی شیر خدا کی محبت میں رافضیوں کے غلو نے انہیں اس امر پر برانگیختہ کیا کہ وہ آپ کے فضائل میں بے شمار احادیث وضع کریں۔ ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ سورج غائب ہو گیا تو حضرت علی شیر خدا کی عصر کی نماز فوت ہو گئی تو آپ کے لیے سورج کو لوٹایا گیا (1)۔ از روئے نقل کے محال ہے۔ اور معنی کے اعتبار سے بھی محال ہے کیونکہ وقت فوت ہو چکا تھا اور اس کا لوٹنا نیا طلوع تھا جو وقت کو نہیں لوٹاتا جس نے کہا تھا: خیر گھوڑوں کی طرف لوٹتی ہے وہ گھوڑے دوڑ سے حضرت سلیمان علیہ السلام کی آنکھوں سے اوجھل ہو گئے اس میں گھوڑوں

1۔ حضرت مفسر نے یہ رائے قائم کی اور ابن جوزی اور ابن تیمیہ کی رائے کو اہمیت دی جب کہ حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں کہا: ابن جوزی نے یہ غلط کہا ہے نور الانور میں اس کا ذکر ملتا ہے۔

کی دوز میں دلیل موجود ہے۔ یہ مشروع امر ہے اس کے بارے میں گفتگو سورۂ یوسف میں گذر چکی ہے۔

وَ لَقَدْ فَتَنَّا سُلَيْمٰنَ وَ اَلْقَيْنَا عَلٰى كُرْسِيِّهٖ جَسَدًا ثُمَّ اَنَابَ ﴿۳۴﴾ قَالَ رَبِّ اغْفِرْ لِيْ وَ هَبْ لِيْ مُلْكًا لَّا يَنْۢبَغِيْ لِاَحَدٍ مِّنْۢ بَعْدِيْ ۚ اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ ﴿۳۵﴾ فَسَخَّرْنَا لَهُ الرِّيْحَ تَجْرِيْ بِاَمْرِهٖ رُخَآءً حَيْثُ اَصَابَ ﴿۳۶﴾ وَ الشَّيٰطِيْنَ كُلَّ بَنَّآءٍ وَّ غَوَّاصٍ ﴿۳۷﴾ وَّ اٰخَرِيْنَ مُقَرَّنِيْنَ فِي الْاَصْفَادِ ﴿۳۸﴾ هٰذَا عَطَآؤُنَا فَامْنُنْ اَوْ اَمْسِكْ بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿۳۹﴾ وَ اِنَّ لَهٗ عِنْدَنَا لَزُلْفٰى وَ حُسْنَ مَاٰبٍ ﴿۴۰﴾

''اور ہم نے فتنہ میں ڈالا سلیمان (علیہ السلام) کو اور ڈال دیا ان کے تخت پر ایک بے جان جسم پھر وہ (ہماری طرف) متوجہ ہوئے۔ عرض کی: میرے رب! مجھے معاف فرما دے اور عطا فرما مجھے ایسی حکومت جو کسی کو میسر نہ ہو میرے بعد بے شک تو ہی بے اندازہ عطا کرنے والا ہے۔ پس ہم نے ہوا کو آپ کا فرمانبردار بنا دیا، چلتی تھی آپ کے حسب حکم آرام سے جدھر آپ چاہتے اور سب دیو بھی ماتحت کر دیئے کوئی معمار اور کوئی غوطہ خور اور ان کے علاوہ (جو سرکش تھے) باندھ دیئے گئے زنجیروں میں، (اے سلیمان!) یہ ہماری عطا ہے چاہے (کسی کو بخش کر) احسان کر چاہے اپنے پاس رکھ تم سے کوئی باز پرس نہ ہوگی اور بے شک انہیں ہمارے ہاں بڑا قرب حاصل ہے اور خوبصورت انجام''۔

وَ لَقَدْ فَتَنَّا سُلَيْمٰنَ ایک قول یہ کیا گیا: حضرت سلیمان علیہ السلام کو بادشاہ بنے بیس سال گذر چکے تھے کہ آپ کو فتنہ میں ڈالا گیا اور آزمائش کے بعد آپ بیس سال تک حاکم رہے؛ یہ زمخشری نے ذکر کیا ہے۔ **فَتَنَّا** یعنی ہم نے آزمائش میں ڈالا اور ہم نے سزا دی (1)۔ اس کا سبب وہ روایت ہے جو سعید بن جبیر نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کی ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی خدمت میں دو فریق حاضر ہوئے ان میں سے ایک فریق جرادہ کے خاندان سے تھا جو آپ کی بیوی تھی۔ حضرت سلیمان اس سے محبت کرتے تھے تو آپ نے خواہش کی کہ فیصلہ ان کے حق میں ہو۔ پھر دونوں کے درمیان فیصلہ انصاف سے کیا۔ آپ کو جو بھی مصیبت پہنچی اسی خواہش کی بنا پر تھی۔

سعید بن مسیب نے کہا: حضرت سلیمان علیہ السلام تین دن تک لوگوں سے حجاب میں رہے آپ نے کسی کے درمیان فیصلہ نہ کیا نہ مظلوم کو ظالم سے انصاف دلایا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کی طرف وحی کی: میں نے تجھے خلیفہ اس لیے نہیں بنایا کہ تو میرے بندوں سے حجاب کرے بلکہ اس لیے خلیفہ بنایا ہے کہ تو ان کے درمیان فیصلہ کرے اور مظلوم کو انصاف دلائے۔

شہر بن حوشب اور وہب بن منبہ نے کہا: حضرت سلیمان علیہ السلام نے ایک بادشاہ کی بیٹی کو گرفتار کیا جس کے ساتھ سمندر کے جزیروں میں سے ایک جزیرہ میں جہاد کیا تھا (2)، جس بادشاہ کو صیدون کہتے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کے دل میں اس

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 94
2۔ معالم التنزیل، جلد 4، صفحہ 604

کی محبت ڈال دی گئی جبکہ وہ آپ سے اعراض کرتی تھی، وہ ترچھی نظروں سے آپ کو دیکھتی اور الٹی سیدھی باتیں کرتی تھی، اس کی آنکھوں سے اپنے والد کے غم میں آنسو نہ پھوٹتا تھا وہ بہت ہی خوبصورت تھی پھر اس نے یہ سوال کیا کہ وہ اس کے باپ کا اس کی صورت کے مطابق بت بنادے تا کہ وہ اسے دیکھا کرے۔ حضرت سلیمان نے اس کا حکم دیا تو اس کے لیے مجسمہ بنادیا گیا اس عورت نے اس کی تعظیم کی اور اس کے سامنے سجدہ کیا اور اس کی لونڈیوں نے بھی اس کے ساتھ سجدہ کیا۔ وہ ایک ایسا بت بن گیا جس کی حضرت سلیمان علیہ السلام کے گھر میں عبادت کی جارہی تھی مگر حضرت سلیمان علیہ السلام کو اس کا علم نہ تھا یہاں تک کہ چالیس دن گذر گئے۔ اس کی خبر بنی اسرائیل میں عام ہوگئی اور حضرت سلیمان علیہ السلام کو بھی علم ہوگیا تو آپ نے اسے توڑ دیا پھر اسے جلادیا پھر اس کے ذرات سمندر میں بکھیر دیئے۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: جب حضرت سلیمان نے صیدون کی بیٹی کو پایا جس کا نام جرادہ تھا جس طرح کہ زمخشری نے ذکر کیا ہے تو وہ عورت آپ کو بہت اچھی لگی حضرت سلیمان علیہ السلام نے اس پر اسلام کو پیش کیا تو اس نے انکار کردیا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے اسے ڈرایا تو اس عورت نے کہا: مجھے قتل کردو میں اسلام قبول نہیں کروں گی۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے اس سے شادی کرلی جبکہ وہ مشرک تھی۔ وہ یاقوت کے بنے بت کی چالیس روز تک حضرت سلیمان علیہ السلام سے پوشیدہ عبادت کرتی رہی یہاں تک کہ وہ مسلمان ہوگئی۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کو چالیس روز تک حکومت کے زوال کے ساتھ سزا دی گئی۔ کعب الاحبار نے کہا: جب حضرت سلیمان علیہ السلام نے گھوڑوں کو قتل کر کے گھوڑوں پر ظلم کیا تو آپ کی حکومت سلب کرلی گئی۔ حضرت حسن بصری نے کہا: حضرت سلیمان علیہ السلام نے حیض یا کسی اور عارضہ کی صورت میں اپنی کسی بیوی کے ساتھ حقوق زوجیت ادا کیے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ آپ کو حکم دیا گیا تھا کہ آپ بنی اسرائیل کے علاوہ کسی عورت سے شادی نہ کریں تو آپ نے ان کے علاوہ کسی اور عورت سے شادی کرلی تو اس وجہ سے انہیں سزا دی گئی۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

وَ اَلْقَيْنَا عَلٰى كُرْسِيِّهٖ جَسَدًا اکثر مفسرین کے نزدیک وہ شیطان تھا۔ اللہ تعالیٰ نے سلیمان علیہ السلام کی شبیہ اس پر ڈالی اس کا نام صخر بن عمیر صاحب السحر تھا یہی وہ تھا جس نے حضرت سلیمان علیہ السلام کی رہنمائی الماس (ہیرہ) پر کی تھی جب حضرت سلیمان علیہ السلام کو بیت المقدس بنانے کا حکم دیا گیا تھا۔ جب پتھروں کو لوہے سے تراشا جاتا تو ان میں آواز پیدا ہوتی انہوں نے الماس (ہیرہ) لیا اور اس کے ساتھ پتھر، نگینے اور دوسری چیزیں کاٹنے لگے تو کوئی آواز پیدا نہ ہوتی۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: وہ سرکش جن تھا تمام شیاطین بھی اس پر غالب نہ آتے وہ ہمیشہ حیلہ سازی کرتا رہتا تھا یہاں تک کہ وہ حضرت سلیمان بن داؤد علیہما السلام کی انگوٹھی حاصل کرنے میں کامیاب ہوگیا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام بیت الخلا میں انگوٹھی کے ساتھ داخل نہیں ہوتے تھے۔ صخر حضرت سلیمان علیہ السلام کی شکل میں آیا تو اس نے حضرت سلیمان علیہ السلام کی عورتوں سے ایک عورت، جسے امینہ کہا جاتا، سے انگوٹھی لی جو آپ کی تھی؛ یہ شہر بن حوشب اور وہب کا قول ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور ابن جبیر نے کہا: اس کا نام جرادہ تھا وہ چالیس روز تک حضرت سلیمان علیہ السلام کی حکومت پر قابض رہا جبکہ حضرت سلیمان علیہ السلام بھاگے ہوئے تھے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے انگوٹھی اور بادشاہت انہیں واپس کردی۔

سعید بن مسیب نے کہا: حضرت سلیمان علیہ السلام نے اپنی انگوٹھی اپنے بستر کے نیچے رکھ دی اور شیطان نے اسے اٹھالیا۔ مجاہد نے کہا: شیطان نے انگوٹھی حضرت سلیمان علیہ السلام کے ہاتھ سے لے لی تھی کیونکہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے شیطان سے پوچھا جبکہ اس کا نام آصف تھا: تم لوگوں کو کس طرح گمراہ کرتے ہو؟ شیطان نے آپ سے کہا: مجھے اپنی انگوٹھی دو تا کہ میں تمہیں بتادوں تو حضرت سلیمان علیہ السلام نے اسے اپنی انگوٹھی دے دی۔ جب شیطان نے انگوٹھی لے لی تو حضرت سلیمان علیہ السلام کی شکل بنا کر آپ کی کرسی پر بیٹھ گیا وہ آپ کی بیویوں کے پاس جاتا ناحق فیصلے کرتا اور غلط احکامات دیتا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کی بیویوں کے پاس جانے کے بارے میں اختلاف ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور وہب بن منبہ سے مروی ہے کہ وہ ان کے پاس ان کے حیض کے دنوں میں آیا تھا۔ مجاہد نے کہا: اسے آپ کی بیویوں کے پاس آنے سے منع کر دیا گیا تھا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام سے حکومت زائل ہوگئی تو آپ ساحل سمندر کی طرف بھاگ نکلے آپ وہاں لوگوں سے ضیافت طلب کرتے اور اجرت پر شکاریوں کی مچھلیاں اٹھایا کرتے تھے جب وہ لوگوں کو بتاتے کہ وہ سلیمان بن داؤد ہیں تو لوگ انہیں جھٹلاتے تھے۔

قتادہ نے کہا: جب بنی اسرائیل نے شیطان کے احکامات کو عجیب و غریب جانا تو آپ نے شکاری سے ایک مچھلی لی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ آپ نے وہ کھانے کے لیے لی تھی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: مچھلیاں اٹھانے کی اجرت کے طور پر لی تھی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے اسے شکار کیا تھا، جب اس کے پیٹ کو چیرا تو اپنی انگوٹھی اس میں موجود پائی تھی۔ یہ واقعہ آپ کی بادشاہت کے زائل ہونے سے چالیس دن بعد ہوا تھا یہ دنوں کی وہی تعداد ہے جتنے دنوں میں آپ کے گھر میں بت کی عبادت کی گئی تھی آپ نے وہ انگوٹھی مچھلی کے پیٹ میں پائی تھی کیونکہ شیطان نے وہ انگوٹھی سمندر میں پھینک دی تھی۔

حضرت علی شیر خدا سے مروی ہے: اسی اثنا میں کہ حضرت سلیمان علیہ السلام سمندر کے کنارے انگوٹھی سے کھیل رہے تھے کہ وہ انگوٹھی سمندر میں گر گئی جبکہ ان کی حکومت اس انگوٹھی میں تھی۔

حضرت جابر بن عبد اللہ نے کہا: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''حضرت سلیمان علیہ السلام کی انگوٹھی کا نقش لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ تھا یحییٰ بن ابی عمرو شیبانی نے حکایت بیان کی ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے اپنی انگوٹھی عسقلان میں پائی تو وہاں سے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں تواضع کی خاطر بیت المقدس کی طرف پیدل گئے۔

حضرت حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور دوسرے علماء نے کہا: جب اللہ تعالیٰ نے حضرت سلیمان علیہ السلام کو ملک لوٹایا تو آپ نے صخر کو پکڑ لیا جس نے انگوٹھی لی تھی اس کے لیے چٹان میں سوراخ کیا اور اس میں اسے داخل کیا اور دوسری چٹان کے ساتھ اسے بند کر دیا اور لوہے اور سکہ کے ساتھ اسے جوڑ دیا اس پر اپنی مہر لگائی اور سمندر میں پھینک دیا فرمایا: قیامت تک یہ تیرا قید خانہ ہے۔

حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ نے کہا: جب حضرت سلیمان علیہ السلام نے انگوٹھی لے لی تو شیاطین، جن، انسان، پرندے

وحشی جانور اور ہوا آپ کی طرف متوجہ ہوئے اور وہ شیطان بھاگ گیا جو آپ کا نائب بنا تھا وہ سمندر میں ایک جزیرہ میں آیا حضرت سلیمان علیہ السلام نے شیاطین کو اس کے پاس بھیجا انہوں نے کہا: ہم اس پر قادر نہیں لیکن وہ ہفتہ میں ایک روز جزیرہ کے ایک چشمہ پر آتا ہے ہم اس پر قابو نہیں پا سکتے جب تک وہ نشے میں نہ ہو کہا: حضرت سلیمان علیہ السلام نے اس سے پانی نکلوایا اور اس میں شراب ڈال دی وہ اس چشمہ پر آنے والے دن اس پر آیا تو اس میں شراب تھی اس نے کہا: اللہ کی قسم! تو عمدہ مشروب ہے مگر تو حلیم کو جوش دلاتی ہے، جاہل کی جہالت میں اضافہ کرتی ہے پھر اسے شدید پیاس لگی پھر وہ اسی چشمہ کے پاس آیا اور اسی جیسی گفتگو کی پھر اسے پیا تو شراب اس کی عقل پر غالب آگئی ان شیاطین نے اسے انگوٹھی دکھائی تو اس نے کہا: ہر حکم سنوں گا اور اطاعت بھی کروں گا۔ وہ اسے حضرت سلیمان علیہ السلام کے پاس لے آئے آپ نے اسے جکڑ دیا اور ایک پہاڑ کی طرف بھیج دیا۔ علماء نے ذکر کیا ہے کہ وہ دھویں کا پہاڑ ہے انہوں نے کہا: وہ دھواں جو تم دیکھتے ہو یہ اس کی سانسیں ہیں اور وہ پانی جو اس پہاڑ سے نکلتا ہے وہ اس کا پیشاب ہے۔

مجاہد نے کہا: اس شیطان کا نام آصف ہے۔ سدی نے کہا: اس کا نام حبقیق ہے، اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔ اس قول کو ضعیف قرار دیا گیا ہے کیونکہ شیطان انبیاء کی صورت نہیں اپنا سکتا، پھر یہ بھی محال ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی مملکت کے لوگوں پر شیطان حضرت سلیمان علیہ السلام کی صورت اپنا کر معاملہ خلط ملط کر دے یہاں تک کہ وہ اسے یہ گمان کریں کہ یہ نبی برحق ہے اور وہ شیطان کے ساتھ مل کر باطل کام شروع کر دیں۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: جسد سے مراد بچہ ہے جو حضرت سلیمان علیہ السلام کے ہاں پیدا ہوا جب وہ پیدا ہوا تو شیاطین جمع ہو گئے ان میں سے بعض نے بعض سے کہا: اگر اس کا بیٹا زندہ رہا تو ہم اسکی غلامی اور تسخیر سے آزاد نہ ہونگے آؤ ہم اس کے بیٹے کو قتل کر دیں یا اسے بگاڑ دیں۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کو اس کا علم ہو گیا آپ نے ہوا کو حکم دیا تو وہ بچے کو بادلوں میں لے گئی ان کا بیٹا شیاطین کے خوف سے بادلوں میں رہا تو اللہ تعالیٰ نے شیاطین سے خوفزدہ ہونے کی بنا پر آپ کو سزا دی آپ نے محسوس ہی نہ کیا کہ وہ آپ کے تخت پر مردہ پڑا ہوا تھا؛ یہ معنی شعبی نے بیان کیا ہے یہی وہ جسد ہے جس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے وَ اَلْقَیْنَا عَلٰی كُرْسِیِّهٖ جَسَدًا میں بیان کیا ہے۔

نقاش اور دوسرے علماء نے بیان کیا ہے: اکثر لونڈیاں جن سے حضرت سلیمان علیہ السلام نے اس لیے وطی کی تھی کہ ان سے اولاد ہوگی تو آپ کا آدھے جسم والا بچہ پیدا ہوا تو اس کی حیثیت اس جسم والی تھی جسکو آپ کے تخت پر پھینک دیا گیا ہو۔ دائی اسے لائی تھی اور اس نے وہاں پھینک دیا تھا۔

صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''حضرت سلیمان علیہ السلام نے کہا: آج رات میں نوے عورتوں کے پاس چکر لگاؤں گا ان میں سے ہر ایک شاہسوار جنے گی جو اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرے گا آپ کے مصاحب نے کہا: ان شاء اللہ کہو تو آپ نے انشاء اللہ نہ کہا، آپ نے رات کے وقت اپنی بیویوں کے پاس چکر لگایا تو ایک عورت کے سوا کوئی بھی حاملہ نہ ہوئی وہ بھی آدھا بچہ لائی اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں محمد کی جان ہے!

اگر وہ انشاء اللہ کہہ دیتے تو وہ سب شاہسوار کی حیثیت سے اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرتے'' (1)۔

ایک قول یہ کیا گیا: جسد سے مراد آصف بن برخیا صدیق تھے جو حضرت سلیمان علیہ السلام کے کاتب تھے۔ اس کی وجہ یہ بنی جب حضرت سلیمان علیہ السلام کو آزمایا گیا تو انگوٹھی آپ کے ہاتھ سے گر پڑی اس میں آپ کی بادشاہت تھی آپ نے دوبارہ اسے اپنے ہاتھ میں ڈالا تو وہ پھر گر پڑی تو آپ کو آزمائش کا یقین ہو گیا۔ آصف بن برخیا نے آپ سے عرض کی: آپ کو آزمائش میں ڈالا گیا ہے اس لیے وہ آپ کے ہاتھ میں نہیں ٹھہرتی اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں تائب ہونے کی حیثیت سے رجوع کرو میں تیری حکومت میں تیرے قائم مقام رہوں گا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ آپ کی توبہ قبول کر لے۔ آپ کی آزمائش کے چودہ دور ہیں حضرت سلیمان علیہ السلام اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں توبہ کرتے ہوئے وہاں سے نکل گئے۔ آصف بن برخیا نے انگوٹھی لے لی اسے اپنے ہاتھ میں رکھا تو وہ وہاں ٹھہر گئی ان کے پاس کتاب کا علم تھا آصف بن برخیا حضرت سلیمان علیہ السلام کی خدمت اور آپ کے عیال میں قائم مقام رہے جیسی چال حضرت سلیمان علیہ السلام کی تھی ایسی چال چلتے اور جو عمل حضرت سلیمان علیہ السلام کا تھا ایسا ہی عمل آصف کا ہوتا یہاں تک حضرت سلیمان علیہ السلام اپنے گھر توبہ تائب ہو کر لوٹ آئے اور اللہ تعالیٰ نے ان کا ملک انہیں لوٹا دیا۔ آصف بن برخیا آپ کی مجلس میں رہے آپ کی کرسی پر بیٹھے اور انگوٹھی اپنے ہاتھ میں رکھی۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: جسد حضرت سلیمان علیہ السلام کا تھا، اس کی وجہ یہ بنی کہ آپ شدید بیمار ہوئے یہاں تک کہ محض ایک جسم کی حیثیت سے ہو گئے ایک کمزور مریض کی یوں صفت بیان کی جاتی ہے: کالجسد الملقی۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کی کرسی اور آپ کا ملک

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے: حضرت سلیمان علیہ السلام کے لیے چھ سو کرسیاں بچھائی جاتیں پھر انسانوں میں سے معززین حاضر خدمت ہوتے تو وہ آپ کے قریب بیٹھ جاتے پھر جنوں میں سے معززین آتے تو وہ انسانوں کے قریب بیٹھ جاتے پھر پرندے آتے جو ان کو سایہ کر لیتے پھر آپ ہوا کو بلاتے جو ان سب کو اٹھا لیتی وہ ایک دن میں ایک ماہ کی مسافت طے کر لیتی۔ وہب، کعب اور دوسرے علماء نے کہا: حضرت سلیمان علیہ السلام جب اپنے باپ کے بعد حاکم بنے تو آپ نے کرسی بنانے کا حکم دیا تاکہ فیصلہ کرنے کے لیے اس پر بیٹھیں اور یہ حکم دیا کہ ایسے خوفناک انداز میں بنایا جائے کہ جب باطل پرست یا جھوٹا گواہ اسے دیکھے تو کانپ جائے اور خوف زدہ ہو جائے آپ نے یہ حکم دیا کہ اس کرسی کو ہاتھی کے دانتوں سے بنایا جائے جس پر موتی، یاقوت اور زبرجد کے نگینے جڑے ہوئے ہوں اسے سونے کے بنے چار درختوں سے گھیرا گیا ہوا سے سونے کی بنی چار کھجوروں کے ساتھ گھیرا گیا جس کی ٹہنیاں سرخ یاقوت اور سبز زبرجد کی تھیں دو کھجوروں کے سروں پر سونے کے دو مور تھے اور دو کھجوروں کے سروں پر سونے کی دو گدھیں تھیں جو ایک دوسرے کے مقابل تھے کرسی بنانے والوں نے کرسی کی دونوں جانب سونے کے دو شیر بنائے ان دونوں میں سے ہر ایک کے سر پر سبز زمرد کا ستون تھا، انہوں نے کھجوروں

1۔ صحیح بخاری، کتاب احادیث الانبیاء، ووھبنا لداؤد سلیمان نعم العبد انہ اواب، جلد 1، صفحہ 487

کے درختوں پر سرخ سونے کی بیلیں جوڑ دیں ان کے گچھے سرخ یاقوت کے تھے اس طرح ان بیلوں نے کھجوروں اور کرسی کو سایہ کیا ہوا تھا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام جب اس پر چڑھنے کا ارادہ کرتے تو اس کے نیچے والے زینہ پر اپنے دونوں قدم رکھتے تو کرسی اتنی تیزی سے گھوم جاتی جس طرح تیز چکی گھومتی ہے وہ گدھیں اور مور اپنے پر پھیلا دیتے دونوں شیر اپنے ہاتھ پھیلا لیتے اور اپنی دمیں زمین پر مارتے، جس زینے پر بھی آپ چڑھتے یہ چیزیں اسی طرح کا ہی عمل کرتیں جب اس کے آخری زینے پر بیٹھ جاتے تو وہ دونوں گدھیں جو کھجور کے درختوں کے اوپر ہوتیں وہ حضرت سلیمان علیہ السلام کا تاج پکڑتیں اور اسے آپ کے سر پر رکھ دیتیں پھر کرسی گھوم جاتی اسی کے ساتھ دونوں گدھیں، دونوں مور اور دونوں شیر اپنے سروں کو حضرت سلیمان علیہ السلام کی طرف جھکاتے ہوئے گھوم جاتے اور اپنے پیٹوں سے کستوری اور عنبر کو چھڑکتے پھر وہ کبوتری جو سونے کی بنی ہوئی تھی جو کرسی کے اوپر موتیوں اور جواہرات سے بنے ستونوں پر ہوتی تورات حضرت سلیمان علیہ السلام کو پکڑاتی حضرت سلیمان علیہ السلام اسے کھولتے اسے لوگوں پر پڑھتے اور لوگوں کو فیصلہ کی طرف دعوت دیتے۔

انہوں نے یہ بھی کہا: بنی اسرائیل کے علماء سونے کی بنی کرسیوں پر بیٹھتے جن پر جواہرات جڑے ہوتے یہ آپ کی دائیں جانب ہزار کرسیاں تھیں اور جنوں کے معززین چاندی کی کرسیوں پر بیٹھتے جو ہزار کرسیاں تھیں پھر پرندے انہیں سایہ کرتے ہوئے گھیر لیتے لوگ فیصلوں کے لیے آگے بڑھتے جب گواہ گواہیوں کے لیے آگے بڑھتے تو کرسی اپنے تمام متعلقات کے ساتھ تیز چکی کے گھومنے کے ساتھ گھوم جاتی دونوں شیر اپنے ہاتھوں کو پھیلا لیتے اور اپنی دمیں زمین پر مارتے دونوں گدھیں اور دونوں مور اپنے پروں کو پھیلا لیتے گواہ ڈر جاتے اور حق بات کی گواہی دیتے وہ چیز جو اس کی کرسی کو گھماتی وہ سونے کی بنی نچلی تھی وہ کرسی اس پر تھی۔ صخر جنی نے جو آپ کے لیے چیزیں بنائی تھیں ان میں سے یہ ایک عظیم چیز تھی۔

جب کرسی کے گھومنے کا احساس ان گدھوں، شیروں اور موروں کو ہوتا جو کرسی کے اوپر سے نیچے تک تھے تو وہ سب چیزیں گھوم جاتیں جب ٹھہرتیں تو سب چیزیں حضرت سلیمان علیہ السلام کے سر پر ٹھہر جاتیں جبکہ آپ بیٹھے ہوتے پھر ان کے پیٹوں میں مشک اور عنبر میں سے جو ہوتا انہیں آپ پر نچھاور کرتے۔ جب حضرت سلیمان علیہ السلام کا وصال ہو گیا تو بخت نصر نے آدمی بھیجے جو کرسی کو لے آئے جب اسے انطاکیہ لے جایا گیا اس نے ارادہ کیا کہ اس پر چڑھے اسے یہ علم نہیں تھا کیسے اس پر چڑھنا ہے جب اس نے ایک قدم اس پر رکھا تو شیر نے اس کے پاؤں پر ضرب لگا دی اور اسے توڑ دیا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام جب اس پر چڑھتے تو دونوں قدم رکھتے بخت نصر مر گیا اور کرسی بیت المقدس کی طرف واپس کر دی گئی کوئی بادشاہ اس پر نہ بیٹھ سکا لیکن کوئی اس کے انجام سے بھی آگاہ نہیں ممکن ہے اسے آسمانوں کی طرف اٹھا لیا گیا ہو۔

ثُمَّ اَنَابَ ۝ یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کیا اور توبہ کی یہ بحث پہلے گزر چکی ہے۔ قَالَ رَبِّ اغْفِرْ لِیْ یعنی میرے گناہ بخش دو، وَ هَبْ لِیْ مُلْكًا لَّا یَنْۢبَغِیْ لِاَحَدٍ مِّنْۢ بَعْدِیْ یہ سوال کیا جاتا ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے کیسے دنیا کو طلب کیا جبکہ اللہ تعالیٰ نے اس کی مذمت کی، اس سے ناراضگی کی اور اپنی بارگاہ میں اسے حقیر جانا ہے؟

اس کا جواب یہ ہے: علماء کے نزدیک یہ طلب اس پر محمول ہے کہ آپ اللہ تعالیٰ کے حقوق ادا کریں گے، ملک کے امور

اچھے انداز میں چلائیں گے، مخلوقات کی منازل کو ترتیب سے رکھیں گے، اللہ تعالیٰ کی حدود کو قائم کریں گے، اس کی رسوم کی حفاظت کریں گے، اس کے شعائر کی تعظیم کریں گے، اس کی عبادت ظاہر کریں گے، اس کی اطاعت کو لازم پکڑیں گے جو حکم اس پر نافذ ہوگا، اس کے قانون کو منظم کریں گے، وعدوں کو ثابت کریں گے کیونکہ اللہ تعالیٰ وہ جانتا ہے جسے مخلوقات میں سے کوئی نہیں جانتا جس طرح اللہ تعالیٰ نے اپنے فرشتوں کے سامنے تصریح کی ہے: اِنِّیۡۤ اَعۡلَمُ مَا لَا تَعۡلَمُوۡنَ ۝ (البقرہ)

حاشا وکلا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کا یہ سوال محض دنیا کی طلب کے لیے ہو کیونکہ آپ اور انبیاء تمام مخلوقات پر زیادہ زاہد ہوتے ہیں آپ نے مملکت کا سوال محض اللہ تعالیٰ کے لیے کیا تھا جس طرح حضرت نوح علیہ السلام نے اس کی تباہی اور ہلاکت کا سوال اللہ تعالیٰ کے لیے کیا تھا دونوں سوال پسندیدہ تھے اور دونوں مقبول ہوئے۔ حضرت نوح علیہ السلام کی عرضداشت مقبول ہوئی تو جو بھی روئے زمین پر تھا اسے ہلاک کردیا گیا اور حضرت سلیمان علیہ السلام کو مملکت عطا کردی گئی۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ یہ مطالبہ اللہ تعالیٰ کے امر سے کیا کیونکہ اللہ تعالیٰ کے علم میں تھا کہ تمام بندوں میں سے صرف آپ ہی ان امور کو چلا سکتے ہیں یا یہ ارادہ کیا تھا کہ وہ کہیں: عظیم ملک تو کہا: لَّا یَنۡۢبَغِیۡ لِاَحَدٍ مِّنۡۢ بَعۡدِیۡ اس میں اعتراض کی گنجائش موجود ہے پہلی تعبیر زیادہ مناسب ہے پھر اللہ تعالیٰ نے اسے فرمایا: هٰذَا عَطَآؤُنَا فَامۡنُنۡ اَوۡ اَمۡسِکۡ بِغَیۡرِ حِسَابٍ ۝

حضرت حسن بصری نے کہا: کوئی بھی آدمی ہے اس پر اللہ تعالیٰ کی نعمت کا بار ہے مگر حضرت سلیمان بن داؤد کیونکہ ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: هٰذَا عَطَآؤُنَا۔

میں کہتا ہوں: یہ چیز اس کو رد کردیتی ہے جو ایک روایت میں مروی ہے کہ جنت میں تمام انبیاء کرام میں سے سب سے آخر میں داخل ہونے والے حضرت داؤد علیہ السلام ہیں کیونکہ دنیا میں ان کو بادشاہت ملی۔ بعض روایات میں ہے: حضرت سلیمان علیہ السلام انبیاء کے جنت میں داخل ہونے کے چالیس سال بعد جنت میں داخل ہونگے اسے صاحب قوت نے ذکر کیا ہے۔ یہ ایسی روایت ہے جس کی اصل نہیں کیونکہ جب اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: یہ اللہ تعالیٰ کی عطا ہے تو اس پر کوئی بوجھ نہیں کیونکہ یہ بطریق احسان انہیں نصیب ہوئی ہے تو پھر وہ کیسے جنت میں سب سے آخر میں داخل ہونگے جبکہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: وَ اِنَّ لَهٗ عِنۡدَنَا لَزُلۡفٰی وَ حُسۡنَ مَاٰبٍ ۝ صحیح میں ہے لِکُلِّ نبیّ دعوۃٌ مستجابۃٌ فتعجل کلُّ نبیّ دعوتہ ہر نبی کے لیے ایک مقبول دعا ہے پس ہر نبی نے اپنی دعا میں جلدی کی۔ یہ بحث پہلے گذر چکی ہے تو ان کے سوال سے پہلے ہی پوری کی جانے والی حاجت بنادی گئی اس وجہ سے ان پر اس کا کوئی بوجھ نہیں۔

لَّا یَنۡۢبَغِیۡ لِاَحَدٍ مِّنۡۢ بَعۡدِیۡ کا معنی ہے میرے بعد کسی کے لیے مناسب نہیں کہ وہ اس کا سوال کرے گویا انہوں نے ایسا سوال کیا جس کا سوال بعد میں ممنوع قرار دیا گیا یہاں تک کہ کسی کی امید اس کے ساتھ متعلق نہ ہوئی اور قبولیت کے ممنوع ہونے کی وجہ سے اس نے اس کا سوال بھی نہ کیا۔

ایک قول یہ کیا گیا: ان کا بادشاہت کا سوال کرنا آپ کے بعد کسی کے لیے مناسب نہیں تاکہ اللہ تعالیٰ کے ہاں ان کا مقام و مرتبہ آسمان و زمین کی تخلیق میں ظاہر وعیاں رہے کیونکہ انبیاء کو اللہ تعالیٰ کے ہاں مقام و مرتبہ میں ایک سبقت موجود ہے ہر

ایک پسند کرتا ہے کہ اس کے لیے خصوصیت ہو جس کے ذریعے اللہ تعالیٰ کے ہاں ان کے مقام و مرتبہ پر استدلال کیا جا سکے یہی وجہ ہے جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عفریت کو پکڑا جس نے یہ ارادہ کیا تھا کہ آپ کی نماز کو قطع کرے، اللہ تعالیٰ نے اس عفریت پر آپ کو قدرت بھی دے دی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے باندھنے کا ارادہ کیا پھر اپنے بھائی حضرت سلیمان علیہ السلام کا قول یاد آ گیا: رَبِّ اغْفِرْ لِيْ وَهَبْ لِيْ مُلْكًا لَّا يَنْۢبَغِيْ لِاَحَدٍ مِّنْۢ بَعْدِيْ (1) تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے چھوڑ دیا۔ اگر حضرت سلیمان علیہ السلام کے بعد بھی کسی کو یہ حکومت عطا کی جاتی تو خصوصیت ختم ہو جاتی گویا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس خصوصیت میں مزاحمت کو ناپسند کیا اس کے بعد کہ آپ نے اس چیز کو جان لیا تھا کہ یہی وجہ ہے جو آپ کی خصوصیت ہے کہ شیاطین کو آپ کے لیے مسخر کر دیا گیا ہے اور آپ کی یہ دعا قبول ہو گئی ہے کہ آپ کے بعد کسی کے لیے ایسی حکومت نہ ہوئی۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

فَسَخَّرْنَا لَهُ الرِّيْحَ تَجْرِيْ بِاَمْرِهٖ رُخَآءً۔ رخاء کا معنی ہے نرم جبکہ اس میں قوت اور شدت موجود ہے یہاں تک کہ وہ کسی کو نقصان نہیں پہنچاتی۔ ہوا آپ کی چھاؤنی، آپ کے لشکروں اور آپ کے تخت کو اٹھا لیتی تھی جس طرح روایت بیان کی گئی ہے کہ آپ کا تخت فرسخ در فرسخ تھا اس میں سو (100) درجے تھے جو ایک کے اوپر نیچے تھے ہر درجہ میں ایک قسم کے لوگ ہوتے تھے حضرت سلیمان علیہ السلام سب سے اوپر والے درجہ میں اپنی عورتوں اور خدام کے ساتھ رہتے تھے۔

ابو نعیم حافظ نے ذکر کیا ہے احمد بن جعفر، عبداللہ بن احمد بن حنبل سے وہ احمد بن ایوب وہ ابو بکر بن عیاش سے وہ ادریس بن وہب بن منبہ سے وہ اپنے باپ سے روایت نقل کرتے ہیں کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے سو کرسے تھے ان میں سے سب سے اونچا شیشے کا تھا اور سب سے نچلے والا لوہے کا تھا، ایک روز آپ ہوا کے دوش پر سوار ہوئے تو آپ ایک کسان کے پاس سے گذرے تو کسان نے ان کی طرف دیکھا تو کہا: آل داؤد کو عظیم بادشاہت دی گئی ہے، ہوا نے اس کی گفتگو سن لی، حضرت سلیمان علیہ السلام کے کان میں ڈالی آپ اترے یہاں تک کہ اس کسان کے پاس آئے فرمایا: میں نے تیری بات سنی ہے میں تیرے پاس اس لیے چل کر آیا ہوں تا کہ تو اس چیز کی تمنا نہ کرے جس پر تو قادر نہیں تیرا ایک دفعہ سبحان اللہ کہنا جسے اللہ تعالیٰ قبول کرلے اس حکومت سے بہتر ہے جو آل داؤد کو دی گئی ہے، کسان نے کہا: اللہ تعالیٰ تیرے غم کو دور کرے تو نے میرے غم کو دور کیا ہے۔

حَيْثُ اَصَابَ ﴿۳۶﴾ اصاب کا معنی ارادہ کیا؛ یہ مجاہد کا قول ہے عرب کہتے ہیں: اصاب الصواب واخطأ الجواب (2)۔ صحیح کا ارادہ کیا اور جواب میں غلطی کی؛ یہ ابن عربی کا قول ہے۔ شاعر نے کہا:

أَصَابَ الكَلَامَ فَلَمْ يَسْتَطِعْ فَأَخْطَأَ الجَوَابَ لَدَى المَفْصِلِ

اس نے گفتگو کا ارادہ کیا تو اس نے طاقت نہ رکھی اس نے فیصلہ کے وقت جواب میں غلطی کی

ایک قول یہ کیا گیا ہے: حمیر کی لغت میں اصاب کا معنی ارادہ ہے۔ قتادہ نے کہا: یہ ھجر کی زبان میں ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: حَيْثُ اَصَابَ کا معنی ہے حیثما قصد یہ اصل میں اصابۃ السہم الغرض المقصود سے ماخوذ ہے تیر ٹارگٹ پر جا لگا۔

1۔ صحیح بخاری، کتاب احادیث الانبیاء، ووھبنا لداؤد سلیمان، جلد 1، صفحہ 487 2۔ معالم التنزیل، جلد 4، صفحہ 609

وَ الشَّیٰطِیْنَ کُلَّ بَنَّآءٍ وَّ غَوَّاصٍ ۙ یعنی ہم نے اس کے لیے شیاطین کو مسخر کر دیا (1) جبکہ اس سے قبل کسی کے لیے یہ مسخر نہ تھے کُلَّ بَنَّآءٍ یہ شیاطین سے بدل ہیں اصل کلام یوں ہے کُلَّ بَنَّاءٍ مِنْهُمْ وہ اس کے لیے وہ چیز بناتے ہیں جو حضرت سلیمان علیہ السلام چاہتے ہیں۔ شاعر نے کہا:

إِلَّا سُلَیْمَانَ إِذْ قَالَ الإِلٰهُ لَهُ　　قُمْ فِی الْبَرِیَّةِ فَاحْدُدْهَا عَنِ الْفَنَدِ

وَخَیِّسِ الْجِنَّ إِنِّی قَدْ أَذِنْتُ لَهُمْ　　یَبْنُونَ تَدْمُرَ بِالصُّفَّاحِ وَالْعُمُدِ

مگر سلیمان علیہ السلام، جب اللہ تعالیٰ نے اسے فرمایا: جنگل میں کھڑے ہو جاؤ، اسے خطا سے پاک کر دو، جنوں کو ذلیل ورسوا کر دو میں نے انہیں حکم دے دیا ہے وہ باریک پتلے پتھروں اور ستونوں کے ساتھ عمارتیں بنائیں گے۔ وَّ غَوَّاصٍ وہ سمندروں سے ان کے لیے موتی نکالیں گے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام پہلے شخص تھے جن کے لیے سمندر سے موتی نکالے گئے۔ اٰخَرِیْنَ مُقَرَّنِیْنَ فِی الْاَصْفَادِ ۝ ہم نے ان کے لیے سرکش شیاطین کو مسخر کیا یہاں تک کہ آپ نے لوہے کی زنجیروں اور بیڑیوں میں انہیں جکڑ دیا؛ یہ قتادہ نے کہا ہے۔ سدی نے کہا: اس سے مراد طوق ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اس سے مراد کرسیاں ہیں؛ اسی معنی میں شاعر کا قول ہے:

فَآبُوا بِالنِّهَابِ وَبِالسَّبَایَا　　وَأُبْنَا بِالْمُلُوکِ مُصَفَّدِینَا

وہ چھینے ہوئے مال، قیدیوں کے ساتھ لوٹے اور ہم رسیوں میں جکڑے ہوئے بادشاہوں کے بیٹوں کے ساتھ واپس لوٹے۔

یحییٰ بن سلام نے کہا: آپ یہ معاملہ ان کے کفار کے ساتھ کرتے تھے جب وہ ایمان لے آتے تو آپ انہیں آزاد چھوڑ دیتے انہیں اپنا مطیع نہیں بناتے۔

هٰذَا عَطَآؤُنَا اسم اشارہ سے مراد بادشاہت ہے، یہ بادشاہت ہماری عطا ہے جسے چاہیں آپ عطا کریں اور جسے چاہیں نہ دیں آپ پر کوئی حساب نہیں۔ حضرت حسن بصری، ضحاک اور دوسرے علماء سے مروی ہے، حضرت حسن بصری نے کہا: اللہ تعالیٰ نے جس پر بھی جو نعمت کی ہے اس پر اس کی وجہ سے کوئی نہ کوئی بوجھ ہوگا مگر حضرت سلیمان علیہ السلام اس سے مستثنیٰ تھے کیونکہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: هٰذَا عَطَآؤُنَا فَامْنُنْ اَوْ اَمْسِكْ بِغَیْرِ حِسَابٍ ۝ قتادہ نے کہا: اسم اشارہ سے مراد حقوق زوجیت ادا کرنے پر قوت ہے آپ کی تین سو بیویاں اور سات سو لونڈیاں تھیں آپ کی پشت میں سو آدمیوں کی قوت تھی؛ یہ عکرمہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کی ہے؛ اسی کی ہم معنی روایت بخاری میں موجود ہے۔ اس تاویل کی بنا پر فَامْنُنْ منی سے مشتق ہوگا (2) یہ کہا جاتا ہے: اَمْنَی یُمْنِی، مَنَی یَمْنِی دونوں لغتیں ہیں جب تو امنی سے امر کا صیغہ بنائے گا تو تو کہے گا اَمْنِ اور مَنَی یَمْنِی کا صیغہ اِمْنِ ہوگا جب تو فعل کے نون کے ساتھ نون خفیفہ لائے تو کہے گا اِمْنَن۔

جو احسان کی طرف گیا ہے اس نے کہا: یہ مَنّ علیہ سے مشتق ہے، جب وہ اس سے امر کا صیغہ بنائے گا تو دونوں نونوں کو ظاہر

1۔ معالم التنزیل، جلد 4، صفحہ 609　　2۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 100

کرے گا کیونکہ یہ مضاعف ہے تو اس نے کہا: اُمْنُنْ حدیث میں روایت کیا گیا ہے کہ آپ کے لیے شیاطین کو مسخر کیا گیا جس کے حق میں آپ چاہیں اسے آزاد کر دیں اور چھوڑ دیں اور جس کے بارے میں چاہیں آپ اسے روکے رکھیں؛ یہ قتادہ اور سدی کا قول ہے۔ عکرمہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے جو روایت نقل کی ہے اس کی تعبیر یہ ہے اپنی عورتوں میں سے جس کے ساتھ چاہو حقوق زوجیت ادا کرو اور جس کے بارے میں چاہو اس کے ساتھ حقوق زوجیت سے رکے رہو آپ پر کوئی گرفت نہ ہوگی۔

وَ اِنَّ لَهٗ عِنْدَنَا لَزُلْفٰى وَ حُسْنَ مَاٰبٍ ۝ یعنی اگر ہم نے ان پر دنیا میں انعام کیا ہے تو اس کے لیے آخرت میں بھی قربت اور لوٹنے کی بہترین جگہ ہوگی۔

وَ اذْكُرْ عَبْدَنَاۤ اَیُّوْبَ ۘ اِذْ نَادٰى رَبَّهٗۤ اَنِّیْ مَسَّنِیَ الشَّیْطٰنُ بِنُصْبٍ وَّ عَذَابٍ ۝ اُرْكُضْ بِرِجْلِكَ ۚ هٰذَا مُغْتَسَلٌۢ بَارِدٌ وَّ شَرَابٌ ۝ وَ وَهَبْنَا لَهٗۤ اَهْلَهٗ وَ مِثْلَهُمْ مَّعَهُمْ رَحْمَةً مِّنَّا وَ ذِكْرٰى لِاُولِی الْاَلْبَابِ ۝

”اور یاد فرمایئے ہمارے بندے ایوب کو جب انہوں نے پکارا اپنے رب کو (الٰہی!) پہنچائی ہے مجھے شیطان نے بہت تکلیف اور دکھ (حکم ہوا) اپنا پاؤں (زمین پر) مار دیہ نہانے کے لیے ٹھنڈا پانی ہے۔ اور پینے کے لیے اور ہم نے عطا فرمایا انہیں ان کا اہل و عیال اور ان کی مانند ان کے ساتھ بطور رحمت اپنی جناب سے اور بطور نصیحت اہل عقل کے لیے“۔

وَ اذْكُرْ عَبْدَنَاۤ اَیُّوْبَ یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حکم دیا جا رہا ہے کہ مشکلات میں صبر پر ان کی اقتدا کریں ایوب یہ عبدنا سے بدل ہے۔

اِذْ نَادٰى رَبَّهٗۤ اَنِّیْ مَسَّنِیَ الشَّیْطٰنُ بِنُصْبٍ وَّ عَذَابٍ ۝ عیسیٰ بن عمر نے ان ہمزہ کے کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ فراء نے کہا: قراء نے بِنُصْب پر اتفاق کیا ہے یعنی نون مضموم اور صاد ساکن ہے شد نہیں۔ نحاس نے کہا: یہ غلط ہے اس کے بعد مناقض ہے اور وہ بھی غلط ہے کیونکہ اس نے کہا: قراء نے اس پر اجماع کیا اس کے بعد یہ حکایت کی کہ قراء نے یزید بن قعقاع سے روایت کی ہے کہ انہوں نے اسے بِنَصب پڑھا ہے اور ابو جعفر کے بارے میں غلط بیانی سے کام لیا گیا ہے، ابو جعفر نے بِنُصُب پڑھا ہے: ابو عبید اور دوسرے قراء نے اسی طرح بیان کیا ہے؛ حضرت حسن بصری سے اسی طرح مروی ہے جہاں تک بِنَصب کا تعلق ہے یہ عاصم جحدری اور یعقوب حضرمی کی قراءت ہے؛ حضرت حسن بصری سے بھی یہی قراءت مروی ہے بِنَصَب ابو جعفر سے بھی مروی ہے۔ اکثر نحویوں کے نزدیک یہ سب نَصَب کے معنی میں ہیں نُصب اور نَصَب، حُزن اور حَزَن کی طرح ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ نُصب، نَصَب کی جمع ہو جس طرح وَثَن کی جمع وُثُن آتی ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ نُصْب، نُصُب کے معنی میں ہو اس سے ضمہ حذف ہے جہاں تک وَ مَا ذُبِحَ عَلَى النُّصُبِ (المائدہ: 3) کا تعلق ہے تو ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ نصاب کی جمع ہے۔ ابو عبید اور دوسرے علماء نے کہا: نُصب کا معنی شر اور آزمائش ہے اور نَصَب کا معنی تھکاوٹ ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: دونوں کا معنی ایک ہی ہے۔ اس آیت سے مراد ہے شیطان جو وسوسہ لاحق کرتا ہے اس نے مجھے وہی پہنچایا ہے

کوئی اور چیز اس نے مجھے لاحق نہیں کی۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے؛ یہ نحاس نے ذکر کیا ہے۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ نصب سے مراد وہ چیز ہے جو اس کے بدن کو لاحق ہو اور عذاب سے مراد وہ چیز ہے جو اس کے مال کو لاحق ہو اس میں حقیقت سے بعید بات ہے۔

مفسرین نے کہا: ایوب رومی تھے یہ بثنیہ سے تعلق رکھتے تھے ان کی کنیت ابو عبداللہ تھی؛ یہ واقدی کا قول ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں نبوت کے لیے چن لیا ان کے پاس مال اور اولاد کی کثرت تھی وہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں پر شکر بجالانے والے تھے اللہ تعالیٰ کے بندوں سے ہمدردی کرتے، نیک، رحم دل تھے۔ تین افراد کے علاوہ کوئی ان پر ایمان نہ لایا۔ دنوں میں ایک دن ابلیس کے لیے ساتویں آسمان میں ٹھہرنے کا موقع بنا ابلیس اپنی عادت کے مطابق وہاں بیٹھا اللہ تعالیٰ نے اسے فرمایا یا اسے کہا گیا: کیا تو میرے بندے ایوب پر کوئی قدرت رکھتا ہے؟ ابلیس نے عرض کی اے میرے رب! میں اس پر کس طرح قادر ہو سکتا ہوں جبکہ تو نے اسے مال اور عافیت کے ساتھ آزمائش میں ڈال رکھا ہے اگر تو نے آزمائش اور فقر کے ذریعے آزمائے اور جو کچھ تو نے اسے عطا کر رکھا ہے وہ اس سے واپس لے لے تو وہ اپنی حالت سے بدل جائے گا اور تیری اطاعت سے نکل جائے گا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: میں نے تجھے اس کے اہل اور مال پر تسلط دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا دشمن آسمان سے نیچے اترا اس نے جنوں میں سے سرکش جنوں کو اکٹھا کیا اور انہیں سب کچھ بتایا، ان میں سے ایک نے کہا: میں ایک بگولہ بنوں گا جس میں آگ ہو گی تو میں اس کا مال ہلاک کر دوں گا وہ حضرت ایوب کی خدمت میں مال کے منتظم کی صورت میں آیا اور اس کے مال پر جو کچھ واقع ہوا تھا وہ سب بتایا تو حضرت ایوب نے کہا: الحمدللہ اللہ تعالیٰ نے ہی مال عطا کیا ہے اور اسی نے مال روک لیا ہے۔ پھر وہ آپ کے اس محل میں آیا جہاں آپ کے گھر والے اور آپ کی اولاد تھی اس نے محل کو اطراف سے اٹھایا اور اسے آپ کے اہل و اولاد پر دے مارا پھر وہ حضرت ایوب علیہ السلام کے پاس آیا اور انہیں بتایا تو حضرت ایوب نے مٹی اپنے سر پر ڈالی ابلیس آسمان کی طرف چڑھا تو حضرت ایوب علیہ السلام کی توبہ اس سے سبقت لے جا چکی تھی۔

ابلیس نے کہا: اے میرے رب! مجھے اس کے بدن پر غلبہ عطا فرما۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: میں نے تجھے اس کے بدن پر مسلط کیا مگر اس کی زبان، اس کے دل اور اس کی آنکھ پر تسلط عطا نہیں کیا۔ اس نے حضرت ایوب علیہ السلام کے جسم پر ایک پھونک ماری جس کی وجہ سے آپ کا جسم جل گیا تو آپ کے جسم میں مسے نکل آئے آپ نے انہیں اپنے ناخنوں سے رگڑا یہاں تک کہ ان سے خون نکلنے لگا پھر ٹھیکری کے ساتھ ملا تو آپ کا گوشت گر گیا اسی موقع پر کہا تھا: مَسَّنِيَ الشَّيْطٰنُ پیٹ کے اندر تک کوئی بیماری نہ پہنچی کیونکہ نفس کی بقا پیٹ کے اندرونی حصہ سے ہوا کرتی ہے آپ کھاتے اور پیتے آپ تین سال تک اسی طرح رہے جب حضرت ایوب علیہ السلام اس پر غالب آگئے تو وہ آپ کی بیوی کے پاس آیا انسانوں میں سے خوبصورت ترین اور معزز ترین فرد کی صورت میں آیا اس نے آپ کی بیوی سے کہا: میں زمین کا معبود ہوں، میں نے ہی تیرے خاوند کے ساتھ کیا جو کچھ کیا اگر تو مجھے ایک سجدہ کر دے تو میں اس کے اہل اور اس کا مال اس کی طرف لوٹا دوں گا جبکہ وہ سب میرے پاس ہیں اسی شیطان نے وہ تمام چیزیں ایک وادی میں آپ کی بیوی کے سامنے کر دیں اس عورت نے وہ تمام باتیں حضرت

ایوب کو بتائیں تو حضرت ایوب نے قسم اٹھائی اگر وہ صحت مند ہوئے تو ضرور اس بیوی کو ماریں گے۔ مفسرین نے ان کی آزمائش کے سبب، اپنے رب کی طرف مراجعت، اس مصیبت سے چھٹکارا جو مصیبت ان پر واقع ہوئی تھی اور وہ تین افراد جو آپ پر ایمان لائے جنہوں نے آپ کو اس سے منع کیا تھا اور آپ پر اعتراض کیا تھا پر طویل گفتگو کی۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: ایک مظلوم نے آپ سے مدد طلب کی تھی تو حضرت ایوب علیہ السلام نے اس کی مدد نہ کی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ایک دن آپ نے لوگوں کو کھانے پر بلایا تو آپ نے ایک فقیر کو داخل ہونے سے روک دیا اس وجہ سے وہ آزمائش میں مبتلا ہوئے۔ ایک قول یہ کیا گیا: آپ ایک بادشاہ سے برسر پیکار تھے جبکہ آپ کے ریوڑ اس کی مملکت میں تھے تو اس ریوڑ کی وجہ سے اس کے ساتھ غزوہ کو ترک کر کے اس کے ساتھ نرمی کی تو اس وجہ سے آپ کو آزمائش میں مبتلا کیا گیا۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: لوگ آپ کی بیوی سے مرض کے پھیل جانے سے دور رہتے وہ کہتے: ہم عدوی سے ڈرتے ہیں جبکہ وہ آپ کی بیوی سے نفرت کرتے اسی وجہ سے فرمایا: مَسَّنِیَ الشَّیْطٰنُ آپ کی بیوی لیا بنت یعقوب تھی۔ حضرت ایوب، حضرت یعقوب علیہ السلام کے دور میں تھے ان کی ماں حضرت لوط علیہ السلام کی بیٹی تھی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: حضرت ایوب کی بیوی رحمہ بن افرائیم بن یوسف بن یعقوب علیہم السلام تھی؛ ان دونوں قولوں کو طبری نے ذکر کیا ہے۔

ابن عربی نے کہا: مفسرین نے جو یہ کہا کہ ابلیس کا سال میں ایک دن ساتویں آسمان میں بیٹھنے کی جگہ تھی تو یہ قول باطل ہے کیونکہ شیطان کو زمین کی طرف لعنت اور ناراضگی کے ساتھ اتارا گیا تو وہ محل رضا کی طرف کیسے بلند ہو سکتا ہے؟ انبیاء کے مقامات میں کیسے گھوم پھر سکتا تھا؟ وہ آسمانوں کو پھاڑتا تو انبیاء کی منازل کی طرف ساتویں آسمان کی طرف بلند ہوتا اور حضرت خلیل کی جگہ جا کر ٹھہرتا بے شک یہ بہت بڑی غلطی ہے اور جہالت کی پیداوار ہے۔

جہاں تک ان کے اس قول کا تعلق ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: میں نے تجھے اس کے مال اور اس کی اولاد پر تسلط عطا کر دیا ہے یہ قدرت میں ممکن ہے لیکن اس قصہ میں بعید ہے اسی طرح ان کا یہ کہنا کہ شیطان نے آپ کے جسم میں پھونک ماری جب اللہ تعالیٰ نے شیطان کو ان کے جسم پر غلبہ دیا یہ بھی حقیقت سے بہت ہی بعید بات ہے اللہ تعالیٰ اس بات پر قادر ہے کہ وہ ان تمام چیزوں کو پیدا فرمائے جبکہ شیطان کا اس میں کوئی عمل دخل نہ ہو یہاں تک کہ شیطان کی اس بات سے آنکھ ٹھنڈی ہو کہ اسے انبیاء کے اموال، ان کے اہل اور ان کی ذاتوں میں قدرت حاصل ہوئی ہے۔ جہاں تک ان کے اس قول کا تعلق ہے کہ شیطان نے آپ کی زوجہ سے یہ بات کی کہ وہ زمین کا الہ ہے اگر تو اللہ کا ذکر چھوڑ دے اور تو مجھے سجدہ کرے تو میں اسے درست کر دوں گا۔ یہ بات ذہن نشین کر لو اور تم خوب اچھی طرح جانتے ہو کہ اگر وہ تم میں سے کسی کے سامنے آئے جبکہ اس انسان کو درد ہو اور شیطان سے یہ بات کرے تو اس کے نزدیک یہ جائز نہیں ہوگا کہ اس کا زمین میں ایک خدا ہو اس کے لیے یہ جائز نہیں ہوگا کہ وہ شیطان کو سجدہ کرے اور شیطان اسے مصیبت سے عافیت دلائے تو یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ایک نبی کی زوجہ اس سے شک میں مبتلا ہو؟ اگرچہ وہ دیہاتی بیوی ہو یا کم عقل بربری عورت ہو اس کے لیے یہ جائز نہیں۔

جہاں تک شیطان کے اس معاملہ کا تعلق ہے کہ اس نے حضرت ایوب کی بیوی کے لیے اموال اور ان کے اہل کو ایک

وادی میں مثالی صورت میں پیش کیے ابلیس کسی حال میں بھی اس پر قادر نہیں نہ ہی وہ جادو کے طریقہ پر ایسا کر سکتا ہے ایک قول یہ کیا جاتا ہے کہ وہ اسی جنس سے تھا۔ اگر یہ تصور کیا جائے تو آپ کی بیوی پہچان جاتی کہ یہ جادو ہے جس طرح ہم جان لیتے ہیں جبکہ وہ ہماری بنسبت اس بارے میں زیادہ پہچان رکھتی تھی کیونکہ جادو، اس کے بارے میں گفتگو، لوگوں کے درمیان اس کے جاری ہونے اور اس کی تصویر کشی سے کوئی زمانہ آج تک خالی نہیں رہا۔

قاضی نے کہا: جس چیز نے ان اقوال پر جری کر دیا ہے اور انہوں نے اس کے بارے میں زیادہ گفتگو کی وہ اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: اِذْ نَادٰى رَبَّهٗۤ اَنِّیْ مَسَّنِیَ الشَّیْطٰنُ بِنُصْبٍ وَّ عَذَابٍ ﴿۴۱﴾ جب انہوں نے یہ دیکھا کہ حضرت داؤد علیہ السلام نے شیطان کے مس کرنے کی شکایت کی تو انہوں نے اپنی رائے سے ان چیزوں کو ملا دیا جن اقوال کا ذکر پہلے گزر چکا ہے جبکہ معاملہ اس طرح کا نہیں جس طرح انہوں نے گمان کیا ہے جبکہ تمام افعال اچھے ہوں یا برے ہوں ایمان ہو یا کفر، اطاعت ہو یا نافرمانی سب کا خالق اللہ تعالیٰ ہے ان کے خلق میں کوئی اس کے ساتھ شریک نہیں اور ان کے علاوہ چیزوں کی تخلیق میں بھی کوئی اس کے ساتھ شریک نہیں لیکن شرک ذکر میں اس کی طرف منسوب نہیں کیا جاتا اگرچہ خلق میں اسی سے موجود ہے یہ بطور ادب ہے جس کی بطور ادب ہمیں تعلیم دی گئی اور بطور حمد جو ہمیں سکھایا گیا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد اسی معنی میں ہے: والخیر فی یدیك والشر لیس الیك۔ اسی معنی میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا قول ہے: وَ اِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ یَشْفِیْنِ ﴿۸۰﴾ (الشعراء) نوجوان نے حضرت کلیم سے یہ کہا تھا: وَ مَاۤ اَنْسٰىنِیْهُ اِلَّا الشَّیْطٰنُ (الکہف: 63)

جہاں تک اس قول کا تعلق ہے کہ ایک مظلوم نے مدد طلب کی تو آپ نے اس کی مدد نہ کی کون ہمارے لیے اس قول کی صحت کو ثابت کرے گا یہ امر اس سے خالی نہ ہوگا کہ آپ اس کی مدد پر قادر تھے تو کسی کے لیے بھی اس کو ترک کرنا حلال نہیں پس اس پر ملامت کی جائے گی کہ انہوں نے نافرمانی کی جبکہ حضرت ایوب علیہ السلام اس سے منزہ تھے یا وہ مدد کرنے سے عاجز تھے تو پھر اس وجہ سے ان پر کوئی قدغن نہ ہوئی اسی طرح ان کا یہ قول بھی ہے کہ آپ نے فقیر کو داخل ہونے سے روکا تھا اگر آپ کو علم ہوتا تو یہ ان کے بارے میں کہنا باطل ہے اگر جانتے ہی نہ تھے تو ان پر کوئی قدغن نہیں۔

جہاں تک یہ کہنا ہے کہ بھیڑ بکریوں کی وجہ سے کافر بادشاہ سے نرمی کی تھی تو تو داھن کا لفظ نہ کہہ بلکہ داری کا لفظ کہہ۔ کافر اور ظالم کو نفس اور مال سے مال کے ذریعے دور کرنا جائز ہے ہاں اچھی گفتگو سے ایسا کرنا بھی جائز ہے۔

ابن عربی قاضی ابو بکر نے کہا: حضرت ایوب کے بارے میں کچھ ثابت نہیں مگر اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں ان دو آیات میں جو خبر دی ہے: وَ اَیُّوْبَ اِذْ نَادٰى رَبَّهٗۤ اَنِّیْ مَسَّنِیَ الضُّرُّ (الانبیاء: 83) دوسری سورت میں ہے: اَنِّیْ مَسَّنِیَ الشَّیْطٰنُ بِنُصْبٍ وَّ عَذَابٍ ﴿۴۱﴾

جہاں تک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا تعلق ہے تو آپ سے کوئی چیز صحیح سند کے ثابت نہیں مگر یہ قول ملتا ہے بینا ایوب یغتسل اِذْ خَرَّ عَلَیْهِ رِجل من جراد من ذھب (1)۔

1۔ صحیح بخاری، کتاب احادیث الأنبیاء، إذ نادی ایوب علیه السلام أنی مسنی الضر، جلد 1، صفحہ 480

جب حضرت ایوب علیہ السلام کے بارے میں آپ سے نہ قرآن اور نہ حدیث سے کوئی چیز ثابت ہے مگر جس کا ہم نے ذکر کیا ہے تو وہ کون ہے جو سامع تک اپنی خبر پہنچا دیتا ہے یا کس زبان سے اس نے یہ بات سنی ہے۔ علماء کے نزدیک اسرائیلی روایات قطعی طور پر ترک کر دی گئی ہیں ان کی تحریروں سے اپنی نظر کو دور رکھو اور ان کو سننے سے اپنے کانوں کو بند رکھو کیونکہ اسرائیلیات تجھے صرف خیال عطا کریں گی اور تیرے دل میں سوائے فساد کے کسی چیز کا اضافہ نہ کریں گی۔

صحیح میں ہے جبکہ الفاظ امام بخاری کے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اے مسلمانوں کی جماعت! تم اہل کتاب سے سوال کرتے ہو جبکہ تمہاری وہ کتاب جو تمہارے نبی پر نازل کی گئی یہ اللہ تعالیٰ کی خبریں دینے میں سے سب سے نئی ہے تم اسے خالص پڑھتے ہو اس میں کسی چیز کی آمیزش نہیں اس نے تمہارے سامنے یہ بیان کیا ہے کہ اہل کتاب نے اللہ تعالیٰ کی کتابوں میں تبدیلی کی ہے اپنے ہاتھوں سے کتابیں لکھیں اور کہا: هٰذَا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ لِيَشْتَرُوْا بِهٖ ثَمَنًا قَلِيْلًا (البقرہ:79) تمہارے پاس جو علم آیا ہے وہ تمہیں ان سے سوال کرنے سے نہیں روکتا نہیں ہرگز نہیں، اللہ کی قسم! ہم نے ان میں سے کسی ایک آدمی کو بھی نہیں دیکھا جو تم سے اس چیز کے بارے میں سوال کرتا ہے جو تم پر نازل ہوا جبکہ مؤطا کی حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس امر کو عجیب جانا کہ حضرت عمر تورات کی قراءت کر رہے تھے۔

اُرْكُضْ بِرِجْلِكَ، رکض سے مراد ہے پاؤں سے دھکیلنا۔ یہ جملہ بولا جاتا ہے: رَكَضَ الدَّابَّةَ و رَكَضَ ثَوْبَهٗ بِرِجْلِهٖ اس نے جانور کو پاؤں مارا۔ اس نے کپڑے کو اپنے پاؤں سے پرے کیا۔ مبرد نے کہا: رَكْض کا معنی حرکت دینا ہے اسی وجہ سے اصمعی نے کہا: یہ کہا جاتا ہے رُكِضَتِ الدَّابَّةُ یہ نہیں کہا جاتا: رَكَضَتْ هِيَ کیونکہ رکض کا معنی ہے سوار کا اپنی ٹانگوں کو حرکت دینا۔ اس سواری کا اس میں کوئی عمل دخل نہیں ہوتا۔

سیبویہ نے یہ کہا: رَكَضْتُ الدَّابَّةَ فَرَكَضَتْ جس طرح یہ جملہ ہے جَبَرْتُ العظمَ فَجَبَرَ و حَزَنْتُه فحَزِنَ میں نے سواری کو حرکت دی تو اس نے حرکت کی میں نے ہڈی کو جوڑا تو وہ جڑ گئی، میں نے اسے غمگین کیا تو وہ غمگین ہو گیا؛ کلام میں اضمار ہے یعنی ہم نے کہا: اُرْكُضْ یہ کسائی کا قول ہے۔

هٰذَا مُغْتَسَلٌۢ بَارِدٌ وَّ شَرَابٌ ۝ یہ اس وقت کہا جب اللہ تعالیٰ نے اسے عافیت عطا کر دی۔ حضرت ایوب نے پاؤں مارا تو اسکی وجہ سے پانی کا چشمہ پھوٹ پڑا تو آپ نے اس سے غسل کیا تو ظاہر سے بیماری چلی گئی پھر آپ نے اس سے پانی پیا تو باطن سے بھی بیماری رفع ہو گئی۔ قتادہ نے کہا: یہ دونوں شام کی سرزمین میں دو چشمے ہیں جس سرزمین کو جابیہ کہتے ہیں آپ نے ان میں سے ایک سے غسل کیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کے ظاہر سے بیماری کو دور کر دیا اور دوسرے چشمے سے پانی پیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کے باطن سے بیماری کو دور کر دیا (1)؛ اسی کی مثل حضرت حسن بصری اور مقاتل سے مروی ہے کہ مقاتل نے کہا: گرم چشمہ پھوٹ پڑا آپ نے اس کے پانی سے غسل کیا تو صحیح و سالم وہاں سے نکلے پھر دوسرا چشمہ پھوٹا تو آپ نے اس سے میٹھا پانی پیا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: پاؤں مارنے کا حکم اس لیے دیا تا کہ آپ کے جسم میں جو بھی بیماری ہے وہ جھڑ جائے۔

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 102

مغتسل سے مراد وہ پانی ہے جس سے غسل کیا جاتا ہے؛ یہ قتبی نے کہا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے مراد وہ جگہ ہے جہاں غسل کیا جاتا ہے۔ مقاتل کا قول ہے جو ہری نے کہا: اِغْتَسلتُ بالماء، غَسُول اس پانی کو کہتے ہیں جس پانی سے غسل کیا جاتا ہے اسی طرح مُغتسل بھی وہ پانی ہے جس کے ساتھ غسل کیا جاتا ہے مَغسِل اور مَغسَل مردوں کے غسل کی جگہ کو کہتے ہیں اس کی جمع مغاسل ہے۔

اس امر میں اختلاف ہے کہ حضرت ایوب علیہ السلام کتنا عرصہ آزمائش میں مبتلا رہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: سات سال، سات ماہ، سات دن اور سات گھنٹے (1)۔

وہب بن منبہ نے کہا: حضرت ایوب علیہ السلام نے سات سال تک بیماری پائی۔ حضرت یوسف علیہ السلام سات سال تک قید میں رہے بخت نصر کو عذاب دیا گیا اور سات سال تک اسے درندوں میں محبوس کیا گیا؛ یہ ابونعیم نے ذکر کیا ہے ایک قول یہ کیا گیا ہے: دس سال تک آپ کی بیماری رہی۔ ایک قول یہ کیا گیا: آٹھ سال تک آپ کی بیماری رہی؛ اسے حضرت انس نے مرفوع نقل کیا ہے جسے ماوردی نے نقل کیا ہے۔

میں کہتا ہوں: اسے ابن مبارک نے ذکر کیا ہے۔ یونس بن یزید، عقیل سے وہ ابن شہاب سے روایت نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک روز حضرت ایوب علیہ السلام اور انہیں جو آزمائش آئی اس کا ذکر کیا اور یہ ذکر کیا کہ آزمائش جو آپ کو پہنچی تھی وہ اٹھارہ سال تک رہی، قشیری نے اس حدیث کا ذکر کیا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ وہ عرصہ چالیس سال تھا۔

وَوَهَبْنَا لَهٗۤ اَهْلَهٗ وَمِثْلَهُمْ مَّعَهُمْ اس کے بارے گفتگو سورۃ الانبیاء میں گزر چکی ہے۔ رحمۃ سے مراد نعمت ہے؛ یہ دانشمندوں کے لیے عبرت ہے۔

وَخُذْ بِيَدِكَ ضِغْثًا فَاضْرِبْ بِّهٖ وَلَا تَحْنَثْ ۭ اِنَّا وَجَدْنٰهُ صَابِرًا ۭ نِعْمَ الْعَبْدُ ۭ اِنَّهٗۤ اَوَّابٌ ﴿۴۴﴾

''اور حکم ملا پکڑ لو اپنے ہاتھ سے تنکوں کا ایک مٹھا اور اس سے مارو اور قسم نہ توڑو، بے شک ہم نے پایا انہیں صبر کرنے والا بڑا خوبیوں والا بندہ ہر وقت ہماری طرف متوجہ''۔

اس میں سات مسائل ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ حضرت ایوب علیہ السلام نے اپنی بیماری کے بارے میں یہ قسم اٹھائی تھی کہ وہ اپنی بیوی کو سو کوڑے ماریں گے اس کے سبب کے بارے میں چار اقوال ہیں: (1) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے حکایت بیان کی ہے کہ ابلیس ایک طبیب کی صورت میں حضرت ایوب علیہ السلام کی بیوی کو ملا جس نے حضرت ایوب علیہ السلام کے علاج معالجہ کے لیے اسے دعوت دی تو ابلیس نے کہا: میں اس کا اس شرط پر علاج کروں گا کہ جب وہ صحت مند ہو جائے تو وہ یہ کہے: تو نے مجھے شفا دی ہے، اس کے سوا میں اس سے کوئی بدلہ نہیں چاہتا بیوی نے کہا: ٹھیک ہے بیوی نے اس بارے میں حضرت ایوب علیہ السلام

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 102

سے مشورہ کیا تو آپ نے قسم اٹھا دی کہ میں ضرور اسے ماروں گا فرمایا: تو ہلاک ہو وہ تو شیطان تھا۔

2۔ سعید بن مسیب نے بیان کیا: پہلے جتنی روٹیاں وہ لاتی تھی اس سے زائد وہ روٹیاں لائی تو آپ کو اس کی خیانت کا خوف ہوا تو آپ نے قسم اٹھا دی کہ وہ ضرور اسے ماریں گے۔

3۔ جو یحییٰ بن سلام اور دوسرے علماء نے کہا ہے: شیطان نے اسے گمراہ کیا کہ وہ حضرت ایوب کو مجبور کرے کہ وہ ایک بکری کا بچہ اس کی عبادت کے طور پر ذبح کرے اور وہ صحت یاب ہو جائے، بیوی نے اس کا ذکر ان سے کیا تو آپ نے قسم اٹھا دی کہ اگر وہ صحت مند ہو گئے تو اسے سو کوڑے ماریں گے۔

4۔ اس نے اپنی مینڈھیاں دو روٹیوں کے عوض بیچیں جب اس نے کوئی چیز نہ پائی کہ وہ حضرت ایوب علیہ السلام کے پاس لے جائے حضرت ایوب علیہ السلام جب اٹھنے کا ارادہ کرتے تو وہ ان مینڈھیوں کا سہارا لیتے اسی وجہ سے آپ نے اس کو مارنے کی قسم اٹھائی۔ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت ایوب علیہ السلام کو شفا دی تو اسے حکم دیا کہ ایک گٹھا لیں اور اس کے ساتھ ماریں۔ آپ نے چھوٹی ٹہنیاں لیں ان کی تعداد سو پوری کی اور اسے ایک ہی دفعہ مارا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ ضغث سے مراد گھاس کا مٹھا ہے جس میں تر اور خشک تنکے ملے ہوتے ہیں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اس سے مراد کھجور کی ٹہنی جس میں چھوٹی چھوٹی شاخیں ہیں۔

مسئلہ نمبر 2۔ یہ آیت اس بات کو ضمن میں لیے ہوئے ہے کہ مرد کے لیے جائز ہے کہ وہ اپنی بیوی کو ادب سکھانے کے لیے مارے اس کی وجہ یہ ہے کہ حضرت ایوب علیہ السلام کی بیوی نے غلطی کی تو آپ نے قسم اٹھائی کہ اسے سو کوڑے ماریں گے تو اللہ تعالیٰ نے انہیں حکم دیا کہ وہ کھجوروں کے گچھے سے ماریں؛ یہ حدود میں جائز نہیں اللہ تعالیٰ نے اس کا حکم اس لیے دیا کہ وہ حد ادب سے بڑھ کر اپنی بیوی کو نہ ماریں اس کی وجہ یہ ہے کہ خاوند کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ ادب سے بڑھ کر اپنی بیوی کو مارے اسی وجہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: وَاضْرِبُوْهُنَّ ضَرْبًا غَيْرَ مُبَرِّحٍ جس طرح سورۂ نساء میں گذر چکا ہے۔

مسئلہ نمبر 3۔ علماء نے اس میں اختلاف کیا ہے: کیا یہ حکم عام ہے یا صرف حضرت ایوب علیہ السلام کے ساتھ خاص ہے۔ مجاہد سے مروی ہے کہ یہ حکم صرف حضرت ایوب علیہ السلام کے ساتھ خاص تھا۔ مہدوی نے عطا بن ابی رباح سے روایت نقل کی ہے کہ وہ اس طرف گئے ہیں کہ یہ حکم باقی ہے جب کسی نے سو شاخوں کے ساتھ ایک ہی دفعہ مارا تو وہ آدمی بری ہو جائے گا؛ امام شافعی نے اسی کی مثل روایت نقل کی ہے؛ اسی کی مثل ایک اپاہج کے بارے میں حکم دیا جس سے ایک لونڈی حاملہ ہو گئی تھی اور آپ نے حکم دیا کہ آپ شاخوں کا گچھا ماریں جس میں چھوٹی سو شاخیں ہوں وہ ایک ہی دفعہ ماریں۔

قشیری نے کہا: عطا سے کہا گیا کیا آج بھی اس پر عمل کیا جا سکتا ہے؟ فرمایا: قرآن نازل نہیں کیا گیا مگر اس لیے تاکہ آج اس پر عمل کیا جائے اور اس کی پیروی کی جائے۔ ابن عربی نے کہا: عطا سے یہ روایت کی گئی ہے کہ یہ حضرت ایوب علیہ السلام کے لیے خاص حکم تھا۔ ابو زید نے ابن قاسم سے وہ امام مالک سے روایت نقل کرتے ہیں جس نے یہ قسم اٹھائی کہ وہ اپنے غلام کو سو کوڑے مارے گا اس نے ان کو جمع کیا اور پھر ایک ہی دفعہ اسے مارا تو وہ بری نہ ہو گا۔ ہمارے بعض علماء نے کہا: امام مالک

اللہ تعالیٰ کے اس فرمان سے استدلال کرتے لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَّمِنْهَاجًا (المائدہ:48) یہ حکم ہماری شریعت کے ساتھ منسوخ ہے۔ ابن منذر نے کہا: ہم نے حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ آپ نے ولید بن عقبہ کو ایسی چھڑی سے مارا جس کی دو شاخیں تھیں اسے چالیس ضربیں لگائیں امام مالک نے اس کا انکار کیا اور اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی تلاوت کی: فَاجْلِدُوْا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ (النور:2) یہ اصحاب الرائی کا نقطہ نظر ہے۔ امام شافعی نے ایک حدیث سے استدلال کیا ہے اس کی سند میں گفتگو کی گئی ہے: اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

میں کہتا ہوں: وہ حدیث جس سے امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے استدلال کیا ہے اسے ابو داؤد نے اپنی سنن میں روایت کیا ہے۔ احمد بن سعید ہمدانی، ابن وہب سے وہ یونس سے وہ ابن شہاب سے روایت نقل کرتے ہیں کہ ابو امامہ بن سہل بن حنیف نے بیان کیا ہے کہ انہیں ایک انصاری صحابی نے بیان کیا کہ ان میں سے ایک آدمی بیمار ہوا یہاں تک کہ بہت ہی کمزور ہو گیا وہ محض ہڈی پر چمڑا ہی رہ گیا کسی کی لونڈی اس کے پاس آئی اس کے دل میں لونڈی کے لیے میلان پیدا ہوا اور اس سے اپنی خواہش پوری کر بیٹھا جب اس کی قوم کے افراد اس کے پاس آئے تا کہ اس کی عیادت کریں تو اس مریض نے انہیں سب واقعہ بیان کر دیا اور کہا: میرے لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے فتویٰ طلب کرو میں نے ایک لونڈی سے خواہش پوری کی ہے جو میرے پاس داخل ہوئی تھی انہوں نے اس کا ذکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا انہوں نے عرض کی: ہم نے کسی میں ایسی تکلیف نہیں دیکھی جو اس کو لاحق ہے اگر ہم اسے آپ کے پاس اٹھا کر لائیں تو اس کی ہڈیاں الگ الگ ہو جائیں گی وہ محض ہڈیوں پر چمڑا ہی ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ وہ سو چھوٹی شاخیں لائیں اور ایک ہی دفعہ اسے ماریں۔ امام شافعی نے کہا: جب ایک آدمی نے کہا میں فلاں کو سو کوڑے ماروں گا یا سو ضربیں لگاؤں گا اس نے ضربا شدیدا کا ذکر نہیں کیا اور دل میں اس کی نیت بھی نہ کی تو اس کے لیے وہی ضرب کافی ہے جس کا ذکر قرآن میں ہے وہ حانث نہ ہوگا۔

ابن منذر نے کہا: جب ایک آدمی قسم اٹھائے کہ وہ اپنے غلام کو سو کوڑے مارے گا اور اس نے اسے ہلکے ہلکے کوڑے مارے تو وہ قسم سے بری ہو جائے گا: یہ امام شافعی، ابو ثور اور اصحاب رائے کا نقطہ نظر ہے۔ امام مالک نے کہا: ضرب وہی ہے جو درد دے۔

مسئلہ نمبر 4۔ وَلَا تَحْنَثْ یہ ارشاد اس عمل پر دلیل ہے کہ قسم میں استثناء حکم کو ختم نہیں کرتی اگرچہ وہ متراخی ہی کیوں نہ ہو اس کے بارے میں بحث سورۂ مائدہ میں گزر چکی ہے یہ جملہ بولا جاتا ہے: حَنِثَ فِي يَمِينِهِ يَحْنَثُ جب اس نے قسم کو پورا نہ کیا ہو کوفیوں کے نزدیک واؤ زائدہ ہے کلام یوں ہے فاضرب لاتحنث۔

مسئلہ نمبر 5۔ ابن عربی نے کہا: اللہ تعالیٰ کا فرمان فَاضْرِبْ بِّهٖ وَلَا تَحْنَثْ دو وجہوں میں سے ایک پر دلالت کرتا ہے(1): (1) ان کی شریعت میں کفارہ نہ تھا اس میں صرف قسم سے بری ہونا اور قسم توڑنا تھا (2) ان سے نذر صادر ہوئی تھی قسم صادر نہ ہوئی تھی۔ جب نذر معین ہو تو امام مالک اور امام ابوحنیفہ کے نزدیک اس پر کفارہ نہیں۔ امام شافعی نے کہا: ہر

1۔ احکام القرآن لابن العربی، جلد 4، صفحہ 1652

نذر میں کفارہ ہے۔

میں کہتا ہوں: یہ قول کہ ان کی شریعت میں کفارہ نہ تھا یہ صحیح نہیں کیونکہ حضرت ایوب علیہ السلام جب آٹھ سال تک مصیبت میں رہے جس طرح ابن شہاب کی روایت میں ہے تو آپ کے دو صحابہ نے کہا: تحقیق آپ نے کوئی ایسا گناہ کیا ہے میرا گمان نہیں کسی کو اس کی خبر ہوئی ہو۔ حضرت ایوب علیہ السلام نے کہا: میں نہیں جانتا تم کیوں کہتے ہو سوائے اس کے کہ میرا رب جانتا ہے کہ میں دو آدمیوں کے پاس سے گذرتا جو ایک دوسرے کی مدد کرتے تو ہر ایک قسم اٹھاتا یا جماعت کے پاس سے گذرتا جو آپس میں مدد کر رہے ہوتے، میں ان کی قسموں کی طرف سے کفارہ ادا کر دیتا تا کہ ان میں سے کوئی بھی گناہ گار نہ ہو وہ اس کا ذکر کرتا ہے یا ذکر نہیں کرتا مگر حق کے ساتھ۔ تو آپ نے اپنے رب کے حضور یہ ندا کی: اَنِّیْ مَسَّنِیَ الضُّرُّ وَ اَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِیْنَ ۝ (الانبیاء) اور حدیث کا ذکر کیا یہ حدیث تجھے یہ فائدہ پہنچاتی ہے کہ حضرت ایوب علیہ السلام کے زمانہ میں کفارہ تھا جس نے بغیر اجازت کے کفارہ ادا کیا تو اس نے اس کی طرف سے فریضہ ادا کیا اور دوسرے سے کفارہ ساقط ہو گیا۔

مسئلہ نمبر 6۔ بعض جاہل زاہدوں اور صوفیوں نے یہ گمان کیا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ایوب علیہ السلام کو جو یہ ارشاد فرمایا: اُرْكُضْ بِرِجْلِكَ اس میں رقص کا جواز ہے۔ ابوفرج نے کہا: یہ تو غیر ذمہ دارانہ استدلال ہے کیونکہ اگر آپ کو پاؤں مارنے کا حکم خوشی سے ہوتا تو اس میں کوئی شبہ ہو سکتا تھا آپ کو پاؤں مارنے کا حکم اس لیے دیا گیا تا کہ پانی نکلے۔

ابن عقیل نے کہا: وہ آدمی جو کسی مصیبت میں مبتلا ہو اس کے بارے میں کہاں دلالت موجود ہے کہ جب مصیبت رفع ہو تو وہ زمین پر اپنا پاؤں مارے تا کہ پانی کا چشمہ ابل پڑے کہ یہ رقص کا اعجاز ہے اگر یہ جائز ہو کہ پاؤں کو حرکت دینا یہ اسلام میں رقص کے جواز پر دلالت کرتا ہے۔ تو یہ بھی جائز ہوگا کہ اللہ تعالیٰ کے فرمان جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لیے صادر ہوا اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْحَجَرَ (البقرہ:60) تو اس میں یہ دلالت ہوتی کہ دشمن کو شاخوں سے مارا جائے ہم شرع کے ساتھ اس کھیل سے اللہ تعالیٰ کی پناہ چاہتے ہیں۔

بعض کوتاہ اندیشوں نے یہ استدلال کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی شیر خدا سے فرمایا: أنت مني وأنا منك تو آپ ایک ٹانگ پر چلے آپ نے حضرت جعفر سے فرمایا: أشبهتَ خَلْقي وخُلُقي تو وہ ایک ٹانگ پر چلے آپ نے حضرت زید سے فرمایا: أنت أخونا ومولانا تو وہ ایک ٹانگ پر چلے ان میں سے کچھ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اس سے استدلال کیا ہے کہ حبشیوں نے جنگی کرتب دکھائے جبکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم انہیں دیکھ رہے تھے اس کا جواب یہ ہے جہاں تک ''حجل'' کا تعلق ہے یہ چال کی ایک نوع ہے جو خوشی کے موقع پر اپنائی جاتی ہے یہ چال اور رقص کہاں۔ اسی طرح حبشیوں کا ''زفن'' یہ بھی چال کی ایک صورت ہے جو جنگ کے موقع پر اپنائی جاتی ہے۔

مسئلہ نمبر 7۔ اِنَّا وَجَدْنٰهُ صَابِرًا یعنی ہم نے اسے آزمائش میں صابر پایا۔ نِعْمَ الْعَبْدُ ۭ اِنَّهٗۤ اَوَّابٌ ۝ وہ توبہ کرنے والے، اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنے والے اور مطیع ہیں۔ سفیان سے ان دو افراد کے بارے میں سوال کیا گیا کہ ان میں سے ایک کو آزمایا گیا تو اس نے صبر کیا دوسرے پر انعام کیا گیا اس نے شکر کیا تو فرمایا: دونوں برابر ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ

نے دونوں بندوں کی تعریف کی ہے ان میں سے ایک صابر تھا اور دوسرا شاکر تھا دونوں پر ایک جیسی تعریف کی حضرت ایوب علیہ السلام کی تعریف میں کہا: نِعْمَ الْعَبْدُ ۖ اِنَّهٗۤ اَوَّابٌ ﴿۴۴﴾ اور حضرت سلیمان علیہ السلام کی تعریف میں کہا گیا: نِعْمَ الْعَبْدُ ۖ اِنَّهٗۤ اَوَّابٌ ﴿۳۰﴾۔

میں کہتا ہوں: صاحب القوت نے اس کلام کو رد کیا ہے اور حضرت ایوب علیہ السلام کے واقعہ سے اس فقیر کی غنی پر فضیلت کا ذکر کیا ہے اور طویل گفتگو کی جس کے ذریعے اپنی کلام کو قوی کیا ہم نے اس کا ذکر کتاب منہج العباد و محجۃ السالکین والزہاد میں کیا ہے ان پر یہ امر مخفی رہا کہ آزمائش سے قبل اور اس کے بعد حضرت ایوب علیہ السلام غنی انبیاء میں سے تھے آپ کا امتحان آپ کے مال اور اولاد کے چلے جانے اور جسم میں بڑی بیماری کی صورت میں ہوا تھا اسی طرح دوسرے انبیاء نے بھی صبر کیا جو بھی ان پر امتحان آیا اور انہیں آزمائش میں ڈالا گیا۔

حضرت ایوب علیہ السلام جس کیفیت میں امتحان میں داخل ہوئے اس کیفیت میں اس سے نکلے نہ ان کی حالت بدلی اور نہ ہی ان کی گفتگو بدلی۔ حضرت سلیمان علیہ السلام معنی مقصود میں حضرت ایوب علیہ السلام کے ساتھ جمع ہوئے وہ تبدیلی کا نہ ہونا تھا جس میں بعض لوگ بعض پر فضیلت رکھتے ہیں اس اعتبار سے غنی شاکر اور فقیر صابر برابر ہیں بات اسی طرح ہے جس طرح سفیان نے کہی۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

ابن شہاب نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت نقل کی ہے کہ حضرت ایوب علیہ السلام نکلے جب وہ اپنی حاجت کے لیے اس کی طرف نکلا کرتے تھے تو اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف وحی کی: اپنا پاؤں زمین کی طرف مارو، یہ ٹھنڈا پانی ہے اور مشروب ہے۔ حضرت ایوب علیہ السلام نے اس سے غسل کیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کا گوشت، بال اور جلد خوبصورت ترین انداز میں لوٹا دی پھر اس پانی کو پیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کے پیٹ میں جو درد یا کمزوری تھی اس کو دور کر دیا اللہ تعالیٰ نے آسمان سے ان کے لیے سفید کپڑے اتارے ایک کو آپ نے تہبند بنایا اور دوسری کو چادر بنایا پھر چلتے ہوئے اپنے گھر کی طرف آئے اور بیوی پر آنے میں دیر کی وہ بیوی آئی یہاں تک کہ آپ کو ملی جبکہ وہ آپ کو پہچان نہیں رہی تھی اس نے آپ کو سلام کیا پوچھا اللہ تعالیٰ تجھ پر رحم کرے: کیا تو نے اس آزمائش میں پڑے آدمی کو دیکھا ہے؟ آپ نے پوچھا: وہ کون ہے؟ بیوی نے کہا: اللہ کے نبی حضرت ایوب علیہ السلام۔ اللہ کی قسم! میں نے کسی کو تجھ سے بڑھ کر اس سے زیادہ مشابہ نہیں دیکھا جب وہ تندرست تھے فرمایا: میں ایوب ہوں۔ حضرت ایوب علیہ السلام نے ایک گھٹا لیا اور بیوی کو مارا۔ ابن شہاب نے گمان کیا ہے: وہ گھٹا ثمامہ بوٹی کا تھا اللہ تعالیٰ نے ان کے اہل اور ان کی مثل ان کی طرف لوٹا دیئے ایک بادل آیا وہ اس جگہ سونے کے ساتھ برسا جہاں گندم صاف کی جاتی یہاں تک کہ اس جگہ کو بھر دیا ایک دوسرا بادل اسی جگہ کی طرف آیا جہاں جو صاف کیے جاتے اور قطانیہ (چنے کی قسم کے دانے) صاف کیے جاتے وہ چاندی کے ساتھ برسا یہاں تک کہ وہ بھر گیا۔

وَ اذْكُرْ عِبٰدَنَاۤ اِبْرٰهِيْمَ وَ اِسْحٰقَ وَ يَعْقُوْبَ اُولِي الْاَيْدِيْ وَ الْاَبْصَارِ ﴿۴۵﴾ اِنَّاۤ اَخْلَصْنٰهُمْ بِخَالِصَةٍ ذِكْرَى الدَّارِ ﴿۴۶﴾ وَ اِنَّهُمْ عِنْدَنَا لَمِنَ الْمُصْطَفَيْنَ الْاَخْيَارِ ﴿۴۷﴾

''اور یاد فرماؤ ہمارے (مقبول) بندوں ابراہیم، اسحاق اور یعقوب بڑی قوتوں والے اور روشن دل تھے۔ ہم نے مختص کیا تھا انہیں ایک خاص چیز سے اور وہ دار آخرت کی یاد تھی، اور یہ (حضرات) ہمارے نزدیک چنے ہوئے تھے''۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے عبدنا پڑھا ہے یہ سند صحیح کے ساتھ ثابت ہے۔ ابن عیینہ نے عمرو سے وہ عطا سے روایت نقل کرتے ہیں وہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کرتے ہیں؛ یہ مجاہد، حمید ابن محیصن اور ابن کثیر کی قراءت ہے اس قراءت کی بنا پر ابراھیم، عبدنا سے بدل ہوگا اور اِسْحٰقَ وَ یَعْقُوْبَ اس پر معطوف ہونگے اس صورت میں ابراہیم اور مابعد اس کا بدل ہونگے۔

عربی لغت کے مطابق اس کی شرح یہ ہوگی جب تو کہے: رایت اصحابنا زیدا وعمروا وخالدا تو اس صورت میں زید، عمرو، خالد بدل ہونگے وہی اصحاب ہیں جب تو کہے: رایت صاحبنا زیدا عمرا وخالدا تو صرف زید بدل ہوگا عمرو اور خالد کا عطف صاحبنا پر ہوگا وہ مصاحبت میں داخل نہیں مگر اس کے علاوہ دلیل سے، مگر اسے یہ علم ہے وَ اِسْحٰقَ وَ یَعْقُوْبَ عبودیت میں داخل ہیں۔

جس نے یہ کہا تھا کہ ذبیح حضرت اسحاق علیہ السلام ہیں حضرت اسماعیل علیہ السلام نہیں اس نے اسی آیت سے استدلال کیا جس طرح ہم نے اپنی کتاب الأعلام بمولد النبی علیہ السلام میں ذکر کیا ہے؛ یہی قول صحیح ہے۔

اُولِی الْاَیْدِیْ وَ الْاَبْصَارِ نحاس نے کہا: جہاں تک الابصار کا تعلق ہے اس کی تاویل پر تو اتفاق ہے کہ یہاں بصائر سے مراد دین اور علم میں بصیرتیں ہیں جہاں تک الْاَیْدِیْ کا تعلق ہے تو اس کی تاویل میں اختلاف ہے۔ اہل تفسیر کہتے ہیں: اس سے مراد قوت ہے ایک قوم کہتی ہے: الْاَیْدِیْ یہ ید کی جمع ہے جس سے مراد نعمت ہے وہ نعمتوں والے ہیں جن پر اللہ تعالیٰ نے انعام فرمایا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ اس سے مراد یہ انعام واحسان کرنے والے لوگ ہیں انہوں نے احسان کیا اور بھلائی کو آگے بھیجا، یہ طبری کا نقطہ نظر ہے۔

وَ اِنَّهُمْ عِنْدَنَا لَمِنَ الْمُصْطَفَیْنَ الْاَخْیَارِ ﴿۴۷﴾ یعنی یہ وہ لوگ ہیں جنہیں ادناس سے پاک کیا اور اپنی رسالت کے لیے پسند کیا مصطفین یہ مصطفی کی جمع ہے اصل میں مصتفی تھا۔ سورۂ بقرہ میں اس کی وضاحت گذر چکی ہے۔ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰی لَكُمُ الدِّیْنَ۔ آیت 132۔ اخیار یہ خیر کی جمع ہے۔

اعمش، عبدالوارث، حسن بصری اور عیسیٰ ثقفی نے اولی الاید یاء کے بغیر پڑھا ہے یہ وقف اور وصل کی صورت میں ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں وہ قوی تھے۔ یہ بھی جائز ہے کہ اس کا معنی جماعت کی قراءت کے مطابق ہو اور یاء تخفیف کے طور پر حذف ہو۔

اِنَّاۤ اَخْلَصْنٰهُمْ بِخَالِصَةٍ ذِكْرَى الدَّارِ ﴿۴۶﴾ عام قراء کی قراءت بخالصة تنوین کی صورت میں ہے؛ یہ ابوعبید اور ابوحاتم کا اختیار ہے۔ نافع، شیبہ، ابوجعفر اور ہشام نے ابن عامر سے بخالصة ذکری الدار اضافت کی صورت میں پڑھا ہے جس

نے خالصة پر تنوین پڑھی ہے اس نے ذکری الدار کو بدل بنایا ہے تقدیر کلام یوں ہوگی: إنا أخلصنا هم بأن يذكروا الدار الاخرة ہم نے انہیں خالص کیا کہ وہ دار آخرت کو یاد کریں، اس کے لیے تیاری کریں، اس میں رغبت کریں اور لوگوں میں رغبت دلائیں۔

یہ بھی جائز ہے کہ خالصة، خلص کا مصدر ہو ذکری دفع کے محل میں ہو کیونکہ یہ فاعل ہے معنی ہوگا ہم نے انہیں خالص کیا یعنی میں نے ان کے لیے دار آخرت کے ذکر کو خالص کیا۔ یہ بھی جائز ہے کہ خالصة، اخلصتُ کا مصدر ہو تا زیادتی حذف ہوگئی اس صورت میں ذکری محل نصب میں ہوگا تقدیر کلام یوں ہوگی بان اخلصوا ذکری الدار۔

دار سے مراد دنیا لینا بھی جائز ہے معنی یہ ہوگا وہ دنیا سے نصیحت حاصل کریں اس میں زہد اپنائیں تا کہ ان کے لیے اچھی تعریف خالص ہو جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَجَعَلْنَا لَهُمْ لِسَانَ صِدْقٍ (مریم:50) یہ بھی جائز ہے کہ اس سے مراد دار آخرت ہو اور مخلوق کو یاد دلا کر نصیحت کی گئی جس نے خالصہ کو الدار کی طرف مضاف کیا ہے تو اس صورت میں یہ الاخلاص کے معنی میں مصدر ہے الذکر مفعول بہ ہے جو فاعل کی طرف مضاف ہے اور خالصہ یہ مصدر ہے خلوص کے معنی میں ہے یعنی میں نے ان کے لیے دار کا ذکر خالص کر دیا۔ دار سے مراد دنیا ہو یا آخرت ہو جس طرح پہلے گذرا ہے۔

ابن زید نے کہا: معنی ہوگا وہ آخرت کا ذکر کرتے ہیں وہ اس میں رغبت رکھتے ہیں اور دنیا میں زہد اختیار کرتے ہیں۔ مجاہد نے کہا: معنی ہے ہم نے ان کے لیے جنت کا ذکر کیا۔

وَاذْكُرْ إِسْمٰعِيلَ وَالْيَسَعَ وَذَا الْكِفْلِ ۖ وَكُلٌّ مِّنَ الْأَخْيَارِ ۝٤٨ هٰذَا ذِكْرٌ ۚ وَإِنَّ لِلْمُتَّقِينَ لَحُسْنَ مَاٰبٍ ۝٤٩ جَنّٰتِ عَدْنٍ مُّفَتَّحَةً لَّهُمُ الْأَبْوَابُ ۝٥٠ مُتَّكِـِٕينَ فِيهَا يَدْعُونَ فِيهَا بِفَاكِهَةٍ كَثِيرَةٍ وَشَرَابٍ ۝٥١ وَعِندَهُمْ قٰصِرٰتُ الطَّرْفِ أَتْرَابٌ ۝٥٢ هٰذَا مَا تُوعَدُونَ لِيَوْمِ الْحِسَابِ ۝٥٣ إِنَّ هٰذَا لَرِزْقُنَا مَا لَهُ مِن نَّفَادٍ ۝٥٤

"اور یاد فرمائیے: اسماعیل، یسع، اور ذی الکفل کو یہ سب بہترین لوگوں میں سے ہیں یہ نصیحت ہے، اور بے شک پرہیزگاروں کے لیے عمدہ ٹھکانہ ہے، سدا بہار باغات کھلے ہوں گے ان کے لیے سب دروازے تکیہ لگائے بیٹھے ہوں گے ان میں طلب فرماتے ہوں گے وہاں طرح طرح کے پھل اور مشروبات اور ان کے پاس نیچی نگاہوں والی (عمر، جمال و کمال میں) ہم مثل (حوریں) ہونگی یہ ہے جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا کہ روز حساب (تمہیں ملے گا)۔ بے شک یہ ہمارا دیا ہوا رزق ہے جو کبھی ختم نہ ہوگا"۔

حضرت یسع کا ذکر سورۃ الانعام اور ذی الکفل کا ذکر سورۃ الانبیاء میں گذر چکا ہے ان میں سے ہر ایک کو نبوت کے لیے چنا گیا ہے۔ دنیا میں یہ ان کا ذکر جمیل ہے اور ایسا شرف ہے جس کے ساتھ دنیا میں ان کا ذکر کیا جاتا رہے گا دنیا میں اس ذکر کے ساتھ ساتھ قیامت میں اچھا ٹھکانہ ہے پھر اس کی وضاحت اس ارشاد سے کی جَنّٰتِ عَدْنٍ۔ لغت میں عدن کا معنی ٹھہرنا ہے یہ جملہ بولا جاتا ہے: عدن بالمکان جب وہ مقیم ہو۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہما نے کہا: جنت میں ایک محل ہے جس کو عدن کہتے ہیں جس کے اردگرد برج اور سبزہ زار ہیں اس کے پانچ ہزار دروازے ہیں ہر دروازے پر پانچ ہزار دھاری دار یمنی چادریں ہیں اس میں کوئی داخل نہیں ہوگا مگر نبی، صدیق اور شہید۔ مفتحۃ ترکیب کلام میں حال بن رہا ہے۔

الْاَبْوَابُ کو رفع دیا گیا ہے کیونکہ یہ نائب الفاعل ہے۔ زجاج نے تقدیر کلام یوں کی ہے مفتحة لهم الأبواب منها فراء نے کہا: تقدیر کلام یہ ہے مفتحة لهم ابوابها یعنی ابواب پر الف لام مضاف الیہ کے عوض میں ہے۔ فراء نے اس قراءت کو بھی جائز قرار دیا ہے مُّفَتَّحَةٌ لَّهُمُ الْاَبْوَابُ یعنی الابواب کو نصب دی ہے۔ فراء نے کہا: اصل میں مفتحة الابوابِ ہے پھر تو تنوین لایا اور الابواب کو نصب دی۔

فراء اور سیبویہ نے یہ شعر پڑھا:

وَنَأْخُذُ بعدَهُ بِذِنَابِ عَيْشٍ　　أَجَبَّ الظَّهْرِ ليس له سَنَامُ

ہم اس کے بعد زندگی کی دموں کو پکڑنے والے ہونگے کمزوری کی وجہ سے جس کی کوہان نہیں۔

یہاں مفتحۃ فرمایا مفتوحۃ نہیں فرمایا کیونکہ انہیں حکم کے ساتھ کھولا گیا ہے ہاتھ لگانے سے وہ نہیں کھلے۔ حضرت حسن بصری نے کہا: یوں کہا جاتا ہے انفتحی فتنفتح، انغلقی فتنغلق(1)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ فرشتے ان کے لیے دروازے کھولیں گے۔

مُتَّكِـِٕيْنَ فِيْهَا یہ حال ہے جسے عامل پر مقدم کر دیا گیا ہے عامل يَدْعُوْنَ ہے یعنی وہ جنات میں طلب کرتے ہوں گے، جبکہ وہ ٹیک لگائے ہوئے ہوں گے، رنگارنگ پھل اور کثیر مشروب کیونکہ کلام دلالت کر رہی ہے اس لیے کثیر کا لفظ حذف کر دیا گیا ہے۔

وَ عِنْدَهُمْ قٰصِرٰتُ الطَّرْفِ ایسی بیویاں ہونگی جو اپنی نظریں خاوندوں تک محدود رکھتی ہیں کسی اور طرف نظر نہیں کرتیں سورۃ الصافات میں یہ بحث گذر چکی ہے۔ اَتْرَابٌ۝ ہم عمر ان کی عمریں ایسی ہوں گی گویا سب ایک ہی دن میں پیدا ہوئی ہیں وہ حسن، جوانی میں برابر ہیں اور تینتیس سال کی ہونگی۔

اتراب، ترب کی جمع ہے یہ قاصرات کی صفت ہے کیونکہ قاصرات نکرہ ہے اگرچہ معرفہ کی طرف مضاف ہے اس کی دلیل یہ ہے کہ الف لام اس پر داخل ہوتا ہے جس طرح شاعر نے کہا:

مِن القاصِراتِ الطَّرْفِ لَوْدَبَّ مُحْوِلٌ　　من الذَّرِّ فوقَ الإِتْبِ مِنها لَأَثَّرَا

وہ جھکی نظروں والی ہیں اگر ایک باریک چیونٹی ان کی قمیص کے اوپر سے گذرے تو وہ بھی اثر چھوڑ جاتی ہے۔

هٰذَا مَا تُوْعَدُوْنَ لِيَوْمِ الْحِسَابِ۝ یہ وہ چیز ہے جس کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے۔ عام قراءت تاء کے ساتھ ہے ما وعدون أيها المومنون یعنی اے مومنو! یہ وہ ہے جس کا تم سے وعدہ کیا گیا تھا، ابن کثیر، ابن محیصن، ابوعمرو اور یعقوب نے

1۔ تفسیر حسن بصری، جلد 4، صفحہ 389

اسے یاء کے ساتھ پڑھا ہے(1)؛ یہ سلمی کی قراءت ہے۔ ابو عبید اور ابو حاتم کا پسندیدہ نقطہ نظر ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:
وَ اِنَّ لِلْمُتَّقِيْنَ لَحُسْنَ مَاٰبٍ ﴿۴۹﴾ پس یہ خبر ہے لِيَوْمِ الْحِسَابِ میں لام، فی کے معنی میں ہے۔ اعشی نے کہا:

المُهِينِين مَا لَهُمْ لِزمانِ السَّوءِ حتّى إذا أفاق أفاقوا

وہ ذلیل ورسوا ہیں برے زمانے میں ان کے لیے کچھ بھی نہیں جب زمانہ کو افاقہ ہوتا ہے تو انہیں افاقہ ہوتا ہے۔

اس شعر میں لام، فی کے معنی میں ہے۔

اِنَّ هٰذَا لَرِزْقُنَا مَا لَهٗ مِنْ نَّفَادٍ ﴿۵۴﴾ یہ آیت اس امر پر دلیل ہے کہ جنت کی نعمتیں ہمیشہ ہونگی ختم نہ ہونگی جس طرح فرمایا:
عَطَآءً غَيْرَ مَجْذُوْذٍ ﴿۱۰۸﴾ (ہود) فَلَهُمْ اَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُوْنٍ ﴿۶﴾ (التین)

هٰذَا ؕ وَ اِنَّ لِلطّٰغِيْنَ لَشَرَّ مَاٰبٍ ﴿۵۵﴾ جَهَنَّمَ ۚ يَصْلَوْنَهَا ۚ فَبِئْسَ الْمِهَادُ ﴿۵۶﴾ هٰذَا ۙ فَلْيَذُوْقُوْهُ حَمِيْمٌ وَّ غَسَّاقٌ ﴿۵۷﴾ وَّ اٰخَرُ مِنْ شَكْلِهٖۤ اَزْوَاجٌ ﴿۵۸﴾ هٰذَا فَوْجٌ مُّقْتَحِمٌ مَّعَكُمْ ۚ لَا مَرْحَبًۢا بِهِمْ ؕ اِنَّهُمْ صَالُوا النَّارِ ﴿۵۹﴾ قَالُوْا بَلْ اَنْتُمْ ۟ لَا مَرْحَبًۢا بِكُمْ ؕ اَنْتُمْ قَدَّمْتُمُوْهُ لَنَا ۚ فَبِئْسَ الْقَرَارُ ﴿۶۰﴾ قَالُوْا رَبَّنَا مَنْ قَدَّمَ لَنَا هٰذَا فَزِدْهُ عَذَابًا ضِعْفًا فِي النَّارِ ﴿۶۱﴾

"یہ تو پرہیزگاروں کے لیے ہے اور بلاشبہ سرکشوں کے لیے برا ٹھکانہ ہوگا یعنی جہنم وہ داخل ہوں گے اس میں تو یہ کتنا تکلیف دہ بچھونا ہوگا۔ یہ کھولتا پانی اور پیپ ہے پس چاہیے کہ وہ اسے چکھیں اور اس کے علاوہ اس کی مانند طرح طرح کا عذاب، یہ لو دوسری فوج گھسنا چاہتی ہے تمہارے ساتھ کوئی خوش آمدید نہیں انہیں یہ ضرور آگ تاپنے والے ہیں۔ وہ کہیں گے: ظالمو! تمہیں کوئی خوش آمدید نہ ہو تم نے یہی آگے کیا اس عذاب کے لیے، سو بہت برا ٹھکانہ ہے۔ کہیں گے: اے ہمارے رب! جس بدبخت نے آگے کیا ہے ہمارے لیے یہ عذاب پس بڑھادے اس کا عذاب دوگنا آگ میں"۔

جب متقین کا ذکر کیا تو سرکشوں کے انجام کا بھی ذکر کیا۔ زجاج نے کہا: هٰذَا یہ مبتدا محذوف کی خبر ہے تقدیر کلام یہ ہے الامرهذا اس وجہ سے هٰذَا پر وقف ہوگا۔ ابن انباری نے کہا: هٰذَا پر وقف اچھا ہے پھر تو وَ اِنَّ لِلطّٰغِيْنَ سے کلام کا آغاز کرے گا یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے رسولوں کو جھٹلایا تھا۔

مَاٰبٍ ﴿۵۵﴾ سے مراد لوٹنے کی جگہ ہے جس کی طرف وہ لوٹیں گے پھر اس کی وضاحت اس ارشاد سے کی: جَهَنَّمَ ۚ يَصْلَوْنَهَا ۚ فَبِئْسَ الْمِهَادُ ﴿۵۶﴾ انہوں نے جو اپنے لیے ٹھکانہ تیار کیا ہے وہ کتنا برا ہے یا یہ بستر ان کے لیے کتنا برا ہے اسی سے بچے کا پنگھوڑا ہے ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس میں حذف ہے تقدیر کلام یہ ہے بئس موضع المهاد۔

1۔ معالم التنزیل، جلد 4، صفحہ 612

ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ معنی یہ ہے کہ جس کی صفت بیان کی گئی ہے وہ ان متقین کے لیے ہے پھر فرمایا کہ سرکشوں کے لیے لوٹنے کی بری جگہ ہے، تو اس صورت میں ھٰذَا پر وقف کیا جائے گا۔

ھٰذَا ۙ فَلْيَذُوْقُوْهُ حَمِيْمٌ وَّغَسَّاقٌ ﴿۵۷﴾ ھٰذَا مبتدا ہونے کی حیثیت سے محل رفع میں ہے اس کی خبر حمیم ہے کلام میں تقدیم وتاخیر ہے تقدیر کلام یہ ہے هذا حميم وغساق فليذوقوه، فَلْيَذُوْقُوْهُ پر وقف نہیں کیا جائے گا۔ یہ بھی جائز ہے کہ ھٰذَا مبتدا ہونے کی حیثیت سے مرفوع ہو اور فَلْيَذُوْقُوْهُ خبر ہو فعل پر فاء اس لیے آئی ہے کیونکہ ھٰذَا میں الذی کا معنی پایا جاتا ہے اس صورت میں فَلْيَذُوْقُوْهُ پر عطف کیا جائے گا اور حمیم کو اس تقدیر کی بنا پر رفع دیا جائے گا ھذا حميم۔

نحاس نے کہا: یہ بھی جائز ہے کہ معنی ہو الأمر هذا حميم اور غساق کو جب تو خبر نہ بنائے تو ان دونوں کا رفع اس تقدیر پر ہوگا هو حميم وغساق فراء نے اس تعبیر کی بنا پر دونوں کو رفع دیا ہے۔ منه حميم ومنه غساق اور یہ شعر پڑھا:

حتى إذا ما أضاءَ الصُّبحُ في غَلَسٍ وغُودِرَ البَقْلُ مَلْوِيٌّ ومَحْصُودُ

جب تاریکی میں صبح روشن ہوئی سبزیوں کو چھوڑ دیا گیا ان میں سے کچھ لپٹی ہوئی تھیں اور کچھ کٹی ہوئی تھیں۔

محل استدلال ملوی و محصود ہے اصل میں منه ملوی اور منه محصود تھا۔

ایک اور شاعر نے کہا:

لها متاعٌ واعوان غَدَوْن به قِتْبٌ و غَرْب إذا ما أُفرِغَ انسحفا

یہ بھی جائز ہے کہ ھٰذَا محل نصب میں ہو اور فعل مضمر ہو جس کی تفسیر فَلْيَذُوْقُوْهُ بیان کرتا ہے اور حَمِيْمٌ وَّغَسَّاقٌ سے تو نئی کلام شروع کرے گا تقدیر کلام یوں ہوگی الأمر حميم وغساق۔

اہل مدینہ، اہل بصرہ اور بعض کوفیوں کے نزدیک غساق میں قراءت سین کی تخفیف کے ساتھ ہے۔ یحییٰ بن وثاب، اعمش، حمزہ اور کسائی نے غساق تشدید کے ساتھ پڑھا ہے۔ اخفش کے قول میں دونوں لغتیں ایک ہی معنی میں ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: دونوں کا معنی مختلف ہے جس نے اس کو تخفیف کے ساتھ پڑھا ہے تو اس صورت میں یہ محض اسم ہوگا جیسے عذاب، جواب، صواب، جس نے اسے مصدر پڑھا ہے اس نے کہا: یہ اصل میں اسم مبالغہ ہے جو مبالغہ کے طریقہ پر فعال کی طرف نقل کیا گیا ہے جیسے ضراب، قتال۔ یہ غسق يغسق سے فعال کے وزن پر ہے اس سے اسم فاعل غَسَّاق اور غاسق کے وزن پر آتا ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اس سے مراد سخت ٹھنڈک ہے جو انہیں اپنی ٹھنڈک کے ساتھ خوفزدہ کرے گی۔ مجاہد اور مقاتل نے کہا: اس سے مراد ایسی برف ہے جس کی ٹھنڈک انتہاء کو پہنچی ہوئی ہوگی (1)۔ دوسرے علماء نے کہا: وہ اپنی سردی کے ساتھ اسی طرح جلائے گی جس طرح حمیم اپنی گرمی کے ساتھ جلائے گا۔ حضرت عبد اللہ بن عمرو نے کہا: گاڑھی پیپ ہوگی اگر اس میں کوئی چیز مشرق میں گرے تو جو مغرب میں ہوگا وہ اس کی وجہ سے بدبودار ہو جائے گا اگر اس میں سے کوئی چیز مغرب میں گرے تو جو مشرق میں ہیں اس سے بدبودار ہو جائیں گے۔ قتادہ نے کہا: اس سے مراد وہ چیز ہے جو بدکاروں کی شرمگاہوں

1۔ معالم التنزیل، جلد 4، صفحہ 612

سے اور کافروں کے گوشتوں اور ان کی جلدوں سے کچ لہو اور پیپ میں سے بدبودار چیز نکلے گی۔ محمد بن کعب نے کہا: یہ جہنمیوں کا نچوڑ ہے، یہ قول لغت کے زیادہ مشابہ ہے یہ جملہ بولا جاتا ہے: غَسَقَ الجرحُ یَغْسِقُ غسقا یہ جملہ اس وقت بولتے ہیں جب اس سے زیادہ پانی نکلے۔ شاعر نے کہا:

إذا ما تَذَكَّرْتُ الحياةَ وطِيبَها   إليّ جرى دَمْعٌ من الليلِ غاسِقُ

جب میں نے زندگی اور اس کی اچھائی کو ظاہر کیا تو آنکھ سے ٹھنڈا آنسو بہہ پڑا۔

یہ کہا جاتا ہے لیل غاسق کیونکہ وہ دن سے ٹھنڈی ہوتی ہے۔ سدی نے کہا: غساق سے مراد وہ چیز ہے جو ان کی آنکھوں اور آنسوؤں سے بہے جسے وہ حمیم (کھولتے ہوئے پانی) کے ساتھ پیتے ہیں۔ ابن زید نے کہا: حمیم سے مراد ان کی آنکھوں کے آنسو ہیں جو جہنم کے حوضوں میں جمع ہونگے جسے وہ پئیں گے۔ صدید اسے کہتے ہیں جو ان کے چمڑوں سے نکلے گی۔ اس قول کو اختیار کرنے کی بنا پر غساق سیال کی طرح ہوگا۔ کعب نے کہا: غساق جہنم میں ایک چشمہ ہے جس میں بچھو اور سانپ وغیرہ کا زہر اس کی طرف بہتا رہے گا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ ظلمت اور سواد سے ماخوذ ہے، غسق سے مراد رات کی تاریکی کا آغاز ہے قد غسق اللیل اس وقت کہتے ہیں جب وہ تاریک ہو جائے۔ ترمذی شریف میں حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: لو ان دلوا من غساق یهراق فی الدنیا لانتن اهل الدنیا اگر غساق کا ایک ڈول دنیا میں بہایا جائے تو دنیا والے بدبودار ہو جائیں گے۔

میں کہتا ہوں: یہ پہلے اشتقاق کے زیادہ مناسب ہے جس طرح ہم نے بیان کیا مگر یہ احتمال موجود ہے کہ غساق بہنے کے ساتھ سیاہ ہو جائے تو دونوں اشتقاق صحیح ہیں۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

وَّاٰخَرُ مِنْ شَكْلِهٖۤ اَزْوَاجٌ ۞ ابو عمرو نے واُخر پڑھا ہے یہ اخریٰ کی جمع ہے جس طرح کُبریٰ کی جمع کُبَر آتی ہے۔ باقی قراء نے اسے واٰخر مفرد مذکر پڑھا ہے ابو عمرو نے واٰخر کا انکار کیا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: اَزْوَاجٌ جمع کی خبر واحد سے نہیں لگائی جاتی۔ عاصم حجدری نے واُخر کا انکار کیا ہے اگر یہ واخر ہوتا تو کلام یوں ہوتی من شکلها دونوں امر لازم نہیں دونوں قراءتیں صحیح ہیں واٰخر ہو تو معنی یہ ہوگا حمیم اور غساق کے سوا دوسرا عذاب۔

مِنْ شَكْلِهٖ قتادہ نے کہا: اسی کی مثل حضرت ابن مسعود نے کہا: وہ زمہریر ہے وَّاٰخَرُ مرفوع ہے (1) کیونکہ یہ مبتدا ہے اَزْوَاجٌ یہ دوسرا مبتدا ہے مِنْ شَكْلِهٖ یہ اس کی خبر ہے اور جملہ (آخر) کی خبر ہے یہ بھی جائز ہے کہ وَّاٰخَرُ مبتدا ہو اور اس کی خبر مضمر ہو جس پر یہ کلام دلالت کرتی ہے هٰذَا ۙ فَلْيَذُوْقُوْهُ حَمِيْمٌ وَّغَسَّاقٌ ۞ کیونکہ اس میں یہ دلیل موجود ہے کہ یہ انہیں کے لیے ہے گویا یہ کلام کی ولهم آخر تو اس صورت میں مِنْ شَكْلِهٖۤ اَزْوَاجٌ، اٰخَرُ کی صفت ہوگی پس مبتدا صفت کے ساتھ خاص ہو جائے گا اَزْوَاجٌ ظرف کے ساتھ مرفوع ہے۔ جس نے وَّاٰخَرُ پڑھا اس نے ارادہ کیا عذاب کی اور قسموں کا، جس نے اسے جمع کا صیغہ پڑھا اور زمہریر کا ارادہ کیا تو زمہریر کی کئی جنسیں بنائیں تو اسے جمع ذکر کیا کیونکہ جنس مختلف ہیں یا ان سے ہر جز کو

1۔ تفسیر عبد الرزاق، جلد 3، صفحہ 122

زمہریر بنادیا پھر اس کی جمع بنائی جس طرح عربوں نے کہا: شابت مفارقہ یا جمع کا صیغہ ہے کیونکہ کلام میں جمع کے جواز پر دلالت موجود ہے کیونکہ زمہریر جو سردی کی انتہاء کو کہتے ہیں وہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں جمع کے مقابل ہے: هٰذَا ۙ فَلْيَذُوْقُوْهُ حَمِيْمٌ وَّ غَسَّاقٌ ۝ شَكْلِهٖٓ میں ضمیر جائز ہے کہ وہ حمیم یا غساق کی طرف لوٹے یا اس معنی کی طرف لوٹے جو ہم نے وَّ اٰخَرُ مِنْ شَكْلِهٖٓ میں ذکر کیے ہیں آخر کو جب جمع کے صیغہ کی حیثیت سے پڑھیں گے تو یہ مبتدا ہونے کی حیثیت میں مبتدا ہوگا مِنْ شَكْلِهٖٓ اس کی صفت ہوگا اس میں ضمیر مذکر ہے جو مبتدا کی طرف لوٹتی ہے اور اَزْوَاجٌ مبتدا کی خبر ہے یہ جائز نہیں کہ اس تقدیر پر اسے محمول کیا جائے ولهم اخر، مِنْ شَكْلِهٖٓ اس کی صفت ہو اور ازواج ظرف کے ساتھ مرفوع ہے جس طرح یہ افراد میں جائز ہے کیونکہ جب ازواج مرفوع ہو تو صفت میں کوئی ضمیر نہ ہوگی؛ یہ ابوعلی نے کہا۔ اَزْوَاجٌ کا معنی عذاب کی اصناف و الوان ہیں۔ یعقوب نے کہا: جب شکل شین کے فتحہ کے ساتھ ہو تو اس کا معنی مثل ہوگا اور جب شین کے کسرہ کے ساتھ ہو تو اس کا معنی ایسی عورت ہوگا جو اچھی گفتگو کرنے والی، اچھے مزاج اور ہیئت والی ہوگی۔

هٰذَا فَوْجٌ مُّقْتَحِمٌ مَّعَكُمْ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: جب قائدین جہنم میں داخل ہوں گے (1) پھر ان کے بعد ان کے پیروکار داخل ہونگے تو خازن، سرداروں کو کہیں گے: یہ تمہارے پیروکار ہیں۔ فوج کا معنی جماعت ہے مُّقْتَحِمٌ مَّعَكُمْ تمہارے ساتھ جہنم میں داخل ہونے والے ہیں تو سردار کہیں گے: ان کی منازل آگ میں خوشگوار نہ ہوں گی۔ الرحب کا معنی وسعت ہے اسی سے رحبة المسجد ہے یعنی مسجد کا صحن۔ یہ دعا کے لیے لفظ استعمال کیا جاتا ہے اسی وجہ سے نصب دی جاتی ہے نابغہ نے کہا:

لَا مَرْحَبًا بِغَدٍ وَلَا اَهْلًا بِهٖ إِنْ كَانَ تَفْرِيقُ الْأَحِبَّةِ فِي غَدٍ

کل کو نہ مرحبا ہے اور نہ ہی اہلا وسہلا ہے اگر کل دوستوں کے درمیان جدائی ہوئی ہے۔

ابوعبید نے کہا: عرب کہتے ہیں لا مرحبا بك۔ نہ تیرے لیے زمین خوشگوار ہوئی اور نہ ہی وسیع ہوئی۔

اِنَّهُمْ صَالُوا النَّارِ ۝ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ قائدین کا قول ہے؛ یہ جہنم میں داخل ہونے والے ہیں جس طرح ہم نے انہیں جہنم میں داخل کیا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ ملائکہ کا قول ہے یہ ان کے قول هٰذَا فَوْجٌ مُّقْتَحِمٌ مَّعَكُمْ اور قَالُوْا بَلْ اَنْتُمْ ۟ لَا مَرْحَبًۢا بِكُمْ کے ساتھ متصل ہے؛ یہ تبعین کا قول ہے۔ نقاش نے بیان کیا ہے کہ پہلی جماعت مشرکین کے سردار اور بدر کے روز انہیں کھانا کھلانے والوں کی ہوگی، دوسری جماعت بدر میں ان کی اتباع کرنے والوں کی ہوگی۔ آیت کا ظاہر اس پر دال ہے کہ یہ ہر تابع اور متبوع کو عام ہے۔

اَنْتُمْ قَدَّمْتُمُوْهُ لَنَا یعنی تم نے ہمیں عصیان کی طرف دعوت دی فَبِئْسَ الْقَرَارُ ہمارا اور تمہارا ٹھکانہ کتنا برا ہے قَالُوْا رَبَّنَا مَنْ قَدَّمَ لَنَا هٰذَا پیروکاروں نے کہا: فراء نے کہا: جس نے ہمارے لیے اس عمل کو جائز قرار دیا اور اس کی سنت قائم کی۔ دوسرے علماء نے کہا: جس نے ہمارے حق میں عذاب کو مقدر کیا کہ ہمیں معاصی کی طرف دعوت دی فَزِدْهُ عَذَابًا ضِعْفًا

1۔ معالم التنزیل، جلد 4، صفحہ 612

فِي النَّارِ۝ یعنی ان کے حق میں اس وجہ سے بھی عذاب مقدر ہے کہ انہوں نے ہمیں اس امر کی طرف بلایا تو اس طرح ان کے حق میں یہ دگنا ہو جائے گا۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا: عَذَابًا ضِعْفًا سے مراد چھوٹے بڑے سانپ ہیں (1) اس کی مثل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: رَبَّنَا هٰٓؤُلَآءِ اَضَلُّوْنَا فَاٰتِهِمْ عَذَابًا ضِعْفًا مِّنَ النَّارِ (الاعراف: 38)

وَ قَالُوْا مَا لَنَا لَا نَرٰى رِجَالًا كُنَّا نَعُدُّهُمْ مِّنَ الْاَشْرَارِ۝ اَتَّخَذْنٰهُمْ سِخْرِيًّا اَمْ زَاغَتْ عَنْهُمُ الْاَبْصَارُ۝ اِنَّ ذٰلِكَ لَحَقٌّ تَخَاصُمُ اَهْلِ النَّارِ۝

''اور کہیں گے: کیا وجہ ہے کہ ہمیں نظر نہیں آ رہے یہاں وہ لوگ جنہیں ہم شمار کرتے تھے برے لوگوں میں۔ ہم جن کا تمسخر اڑایا کرتے تھے یا پھر گئی ہیں ان کی طرف سے ہماری آنکھیں۔ یقیناً یہ سچ ہے دوزخی آپس میں جھگڑیں گے''۔

وَ قَالُوْا یعنی مشرکین کے اکابر نے کہا: کیا وجہ ہے کہ ہم ان لوگوں کو یہاں نہیں دیکھ رہے جنہیں ہم شریر شمار کرتے تھے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے: وہ اشرار سے مراد حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ لیتے۔ ابو جہل کہے گا: بلال کہاں ہے، صہیب اور عمار کہاں ہے؟ وہ فردوس میں ہونگے۔ ابو جہل پر تعجب ہے وہ بیچارہ مسکین، اس کا بیٹا حضرت عکرمہ مسلمان ہو گیا اسکی بیٹی جویریہ مسلمان ہو گئی اس کی ماں مسلمان ہو گئی اور اس کا بھائی مسلمان ہو گیا جبکہ اس نے کفر کیا۔ شاعر نے کہا:

ونورًا أضاءَ الأرضَ شرقًا و مغربًا		وموضعُ رِجلِي منهُ أسودُ مُظلِمُ

وہ نور جس نے زمین کے مشرق و مغرب کو روشن کر دیا اور میرے قدم کی جگہ اس سے تاریک و سیاہ ہے۔

اَتَّخَذْنٰهُمْ سِخْرِيًّا مجاہد نے کہا: ہم نے دنیا میں ان کا مذاق اڑایا تو ہم نے غلطی کی اَمْ زَاغَتْ عَنْهُمُ الْاَبْصَارُ۝ یہ ہماری آنکھیں ان سے پھر گئی ہیں تو ہم ان کا مکان نہیں جانتے۔ حضرت حسن بصری نے کہا: انہوں نے یہ سب کچھ کیا تھا، انہوں نے صحابہ کا مذاق اڑایا اور دنیا میں ان کی آنکھیں ان سے پھر گئی تھیں کیونکہ وہ انہیں حقیر خیال کرتے تھے (2)۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: اَمْ زَاغَتْ عَنْهُمُ الْاَبْصَارُ کا معنی ہے کیا وہ ہمارے ساتھ جہنم میں ہی ہیں ہم انہیں دیکھتے نہیں ابن کثیر، اعمش، ابو عمرو، حمزہ اور کسائی مِّنَ الْاَشْرَارِ۝ اَتَّخَذْنٰهُمْ پڑھا کرتے تھے یعنی ہمزہ وصلی کو حذف کرتے تھے۔ ابو جعفر، شیبہ، نافع، عاصم اور ابن عامر اتخذناھم پڑھا کرتے تھے یعنی ہمزہ استفہام کا ہمزہ قطعی پڑھتے اور ہمزہ وصل ساقط ہو گیا کیونکہ اب اس سے استغناء ثابت ہو چکی ہے جس نے الف کے حذف کے ساتھ پڑھا تو وہ الاشرار پر وقف نہیں کرے گا کیونکہ اتخذناھم حال ہے۔ نحاس اور سجستانی نے کہا: یہ رجال کی صفت ہے۔ ابن انباری نے کہا: یہ غلط ہے کیونکہ لغت نہ تو ماضی کا صیغہ ہوتا ہے نہ ہی مستقبل کا صیغہ ہوتا ہے۔

جس نے اتخذناھم ہمزہ قطعی کے ساتھ پڑھا ہے اس نے الاشرار پر وقف کیا۔ فراء نے کہا: یہاں استفہام توبیخ اور

1۔ معالم التنزیل، جلد 4، صفحہ 612		2۔ تفسیر حسن بصری، جلد 4، صفحہ 391

تعجب کے لیے ہے جب تو اتخذ ناھم کو استفہام کے ساتھ پڑھے تو امر تسویہ کے لیے ہوگا جب تو استفہام کے بغیر پڑھے تو یہ بل کے معنی میں ہوگا۔ ابو جعفر، نافع، شیبہ، مفضل، ہبیرہ، یحییٰ، اعمش، حمزہ اور کسائی نے سخریا پڑھا ہے باقی نے کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ ابو عبید نے کہا: جس نے اس کو کسرہ دیا اس نے اسے ھزء سے بنایا ہے اور جس نے اس کو ضمہ دیا اس کا معنی تسخیر کیا۔ یہ بحث پہلے گذر چکی ہے۔

اِنَّ ذٰلِكَ لَحَقٌّ تَخَاصُمُ اَهْلِ النَّارِ ﴿۶۴﴾ لَحَقٌّ، اِنَّ کی خبر ہے اور تَخَاصُمُ یہ مبتدا محذوف کی خبر ہے تقدیر کلام یہ ہوگا ھو تخاصم یہ بھی جائز ہے کہ یہ حق سے بدل ہو۔ یہ بھی جائز ہے کہ یہ خبر کے بعد خبر ہو۔ یہ بھی جائز ہے کہ یہ ذلك سے بدل ہو معنی ہوگا جہنمیوں کا جہنم میں جھگڑا حق ہے جس طرح یہ قول: لَا مَرْحَبًا بِكُمْ اور اس جیسے دوسرے اقوال۔

قُلْ اِنَّمَآ اَنَا مُنْذِرٌ ۖ وَّ مَا مِنْ اِلٰهٍ اِلَّا اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ﴿۶۵﴾ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا الْعَزِيْزُ الْغَفَّارُ ﴿۶۶﴾ قُلْ هُوَ نَبَؤٌا عَظِيْمٌ ﴿۶۷﴾ اَنْتُمْ عَنْهُ مُعْرِضُوْنَ ﴿۶۸﴾ مَا كَانَ لِيَ مِنْ عِلْمٍۢ بِالْمَلَاِ الْاَعْلٰٓى اِذْ يَخْتَصِمُوْنَ ﴿۶۹﴾ اِنْ يُّوْحٰٓى اِلَيَّ اِلَّآ اَنَّمَآ اَنَا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿۷۰﴾

”اے حبیب! آپ فرمایئے: میں تو فقط ڈرانے والا ہوں اور نہیں ہے کوئی خدا مگر اللہ جو ایک ہے سب پر غالب ہے مالک ہے آسمانوں اور زمین کا اور جو کچھ ان کے درمیان ہے عزت والا بخشنے والا ہے۔ فرمایئے: یہ بڑی اہم اور عظیم خبر ہے تم اس سے منہ موڑے ہوئے ہو، مجھے کوئی علم نہ تھا عالم بالا کے بارے میں وہ جھگڑ رہے تھے۔ نہیں وحی کی جاتی میری طرف مگر یہ کہ میں فقط کھلا ڈرانے والا ہوں“۔

قُلْ اِنَّمَآ اَنَا مُنْذِرٌ جو آدمی اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرتا ہے میں اسے اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈرانے والا ہوں۔ یہ بحث پہلے گذر چکی ہے وَّ مَا مِنْ اِلٰهٍ الہ کا معنی معبود ہے اللہ تعالیٰ واحد ہے اس کا کوئی شریک نہیں الْعَزِيْزُ الْغَفَّارُ ﴿۶۶﴾ پر رفع صفت ہونے کے اعتبار سے ہے اگر تو پہلے کو نصب دے تو اسے بھی نصب دے گا پہلے کو رفع اور مابعد کو مدح کے طور پر نصب دینا بھی جائز ہے الْعَزِيْزُ کا معنی محفوظ ہے جس کی کوئی مثل نہ ہو الْغَفَّارُ سے مراد جو مخلوقات کے گناہوں کو بخشنے والا ہو۔

قُلْ هُوَ نَبَؤٌا عَظِيْمٌ ﴿۶۷﴾ اے محمد! انہیں کہو حساب، ثواب اور عقاب کے بارے میں جو تمہیں ڈرا رہا ہوں یہ عظیم الشان خبر ہے مناسب نہیں کہ اسے ہلکا جانا جائے؛ یہ قتادہ نے معنی کیا ہے اس کی مثل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: عَمَّ يَتَسَآءَلُوْنَ ﴿۱﴾ عَنِ النَّبَاِ الْعَظِيْمِ ﴿۲﴾ (النباء) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، مجاہد، قتادہ نے کہا: اس سے مراد قرآن حکیم ہے (1) جس نے تمہیں اس کے بارے میں آگاہ کیا ہے وہ عظیم الشان خبر ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: نبأ عظیم سے مراد عظیم منفعت ہے۔

مَا كَانَ لِيَ مِنْ عِلْمٍۢ بِالْمَلَاِ الْاَعْلٰٓى اِذْ يَخْتَصِمُوْنَ ﴿۶۹﴾ ملا اعلیٰ سے مراد ملائکہ ہیں (2)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور سدی

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 109　2۔ ایضاً، جلد 5، صفحہ 110

کے قول کے مطابق فرشتوں نے حضرت آدم علیہ السلام کے بارے میں اس وقت جھگڑا کیا تھا جب آپ کو تخلیق کیا گیا فرشتوں نے کہا: اَتَجْعَلُ فِيْهَا مَنْ يُّفْسِدُ فِيْهَا (البقرۃ:30) ابلیس نے کہا: اَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ اس میں یہ وضاحت موجود ہے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت آدم علیہ السلام اور دوسرے انبیاء کے واقعات کی خبر دی اللہ تعالیٰ کی تائید کے بغیر اس کا تصور نہیں کیا جا سکتا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت پر معجزہ قائم ہے انہیں کیا ہو گیا کہ قرآن حکیم میں تدبر کرنے سے اعراض کرتے ہیں جبکہ وہ تدبر کر کے آپ کی صداقت کو پہچان سکتے تھے اسی وجہ سے اس قول کو، اس قول: قُلْ هُوَ نَبَؤٌا عَظِيْمٌ ۝ اَنْتُمْ عَنْهُ مُعْرِضُوْنَ ۝ جوڑا ہے۔ دوسرا قول جسے ابواشہب نے حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''میرے رب! نے مجھ سے پوچھا: اے محمد! صلی اللہ علیہ وسلم فرشتے کس بات میں جھگڑ رہے ہیں؟ میں نے عرض کی: کفارات اور درجات میں جھگڑ رہے ہیں پوچھا: کفارات کیا ہیں؟ میں نے عرض کی: جماعت کے لیے قدموں پر چل کر جانا، سخت سردی میں اچھی طرح وضو کرنا اور نماز کے بعد مساجد میں نماز کے انتظار میں بیٹھنا، پوچھا: درجات کیا ہیں؟ میں نے عرض کی سلام کو عام کرنا، کھانا کھلانا، رات کے وقت نماز پڑھنا جبکہ لوگ سوئے ہوئے ہوں (1)۔ امام ترمذی سے اسی معنی میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے اس کے بارے میں کہا: حدیث غریب ہے۔

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے مروی ہے اس کے بارے میں کہا: یہ حدیث حسن صحیح ہے (2) ہم نے اسے مکمل طور پر کتاب الأسنى في شرح أسماء الله الحسنى میں تحریر کیا ہے اور ہم نے اس کے اشکال کو بیان کیا ہے۔ الحمد اللہ۔ سورۂ یٰس میں مساجد کی طرف چلنے کے بارے میں گفتگو گزر چکی ہے قدم سیآت کا کفارہ بنتے ہیں اور درجات بلند ہوتے ہیں۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ ملا اعلیٰ سے مراد فرشتے ہیں يَخْتَصِمُوْنَ میں ضمیر دونوں فرقوں کے لیے ہے اس سے مراد ان لوگوں کا قول ہے جنہوں نے کہا: فرشتے اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں ہیں اور جس نے یہ کہا وہ ایسے معبود ہیں جن کی عبادت کی جاتی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ملا اعلیٰ سے مراد قریش ہیں ان کے اختصام سے مراد ان کا رازداری سے جھگڑا کرنا ہے جس سے اللہ تعالیٰ اپنے نبی کو آگاہ کر دیتا۔

اِنْ يُّوْحٰۤى اِلَيَّ اِلَّاۤ اَنَّمَاۤ اَنَا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ۝ میری طرف انذار کی وحی کی جاتی۔ ابوجعفر بن قعقاع نے اسے الا انما پڑھا ہے کیونکہ وحی بھی ایک قول ہے گویا کہا: میرے بارے میں کہا جاتا ہے کہ میں واضح خبردار کرنے والا ہوں۔ جس نے ہمزہ کو فتحہ دیا اس نے اسے محل رفع میں رکھا ہے کیونکہ یہ نائب الفاعل ہے۔ فراء نے کہا: گویا آپ نے کہا میری طرف انذار کے سوا وحی نہیں کی گئی۔ نحاس نے کہا: یہ بھی جائز ہے کہ انما محل نصب میں ہو۔

اِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّيْ خَالِقٌۢ بَشَرًا مِّنْ طِيْنٍ ۝ فَاِذَا سَوَّيْتُهٗ وَ نَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِيْ فَقَعُوْا لَهٗ سٰجِدِيْنَ ۝ فَسَجَدَ الْمَلٰٓئِكَةُ كُلُّهُمْ اَجْمَعُوْنَ ۝ اِلَّاۤ اِبْلِيْسَ ؕ اِسْتَكْبَرَ وَ كَانَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ ۝

1۔ احکام القرآن لابن العربی، جلد 4، صفحہ 1653 2۔ جامع ترمذی، حدیث نمبر 3158-3159، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

''اے حبیب! یاد فرمایئے جب کہا آپ کے رب نے فرشتوں سے کہ میں پیدا کرنے والا ہوں بشر کو کیچڑ سے۔ پس جب میں اس کو سنوار دوں اور پھونک دوں اس میں اپنی طرف سے خاص روح تو تم گر پڑنا اس کے آگے سجدہ کرتے ہوئے۔ پھر سجدہ کیا سب کے سب فرشتوں نے سوائے ابلیس کے، اس نے گھمنڈ کیا اور ہو گیا کافروں میں سے''۔

اِذْ کا تعلق یَخْتَصِمُوْنَ کے ساتھ ہے معنی یہ ہے جب وہ جھگڑ رہے تھے تو مجھے ملاءاعلیٰ کے بارے میں کچھ علم نہ تھا اِذْ قَالَ یہ اِذْ یَخْتَصِمُوْنَ سے بدل ہے یَخْتَصِمُوْنَ محذوف کے متعلق ہے کیونکہ معنی ہے جب ملاءاعلیٰ والے جھگڑ رہے تھے تو مجھے ان کی گفتگو کا کچھ علم نہ تھا فَاِذَا سَوَّیْتُهٗ اذا یہ ماضی کے فعل کو مستقبل کی طرف پھیر دیتا ہے کیونکہ یہ حروف شرط کے مشابہ ہے اس کا جواب حرف شرط کے جواب جیسا ہوتا ہے یعنی جب میں نے اسے پیدا کیا مِنْ رُّوْحِیْ سے مراد ایسی روح ہے جس کا میں مالک ہوں میرے سوا کوئی اس کا مالک نہیں یہ اضافت کا معنی ہے سورۃ النساء آیت 171 میں وَرُوْحٌ مِّنْهُ کے ضمن میں یہ بحث مفصل گذر چکی ہے۔

سٰجِدِیْنَ حال کی حیثیت سے منصوب ہے یہ اسلام کا سجدہ تھا سجدہ عبادت نہ تھا۔ سورۂ بقرہ میں یہ بحث گذر چکی ہے۔

فَسَجَدَ الْمَلٰٓئِكَةُ كُلُّهُمْ اَجْمَعُوْنَ انہوں نے حکم کی اطاعت کی اور اس کے سامنے عاجزی کرتے اور حضرت آدم علیہ السلام کی تعظیم کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی تعظیم کرتے ہوئے سجدہ کیا اِلَّآ اِبْلِیْسَ ابلیس جہالت کی بنا پر سجدہ سے رک گیا کہ حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت ہے۔ استکبار کے طور پر اللہ تعالیٰ کی اطاعت سے رکنا کفر ہے کیونکہ اس نے اللہ تعالیٰ کے امر سے استکبار کیا تھا اس لیے وہ کافروں میں سے ہو گیا۔ سورۂ بقرہ میں یہ بحث مفصل گزر چکی ہے۔

قَالَ يٰٓاِبْلِيْسُ مَا مَنَعَكَ اَنْ تَسْجُدَ لِمَا خَلَقْتُ بِيَدَيَّ ۭ اَسْتَكْبَرْتَ اَمْ كُنْتَ مِنَ الْعَالِيْنَ ۝ قَالَ اَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ ۭ خَلَقْتَنِيْ مِنْ نَّارٍ وَّ خَلَقْتَهٗ مِنْ طِيْنٍ ۝ قَالَ فَاخْرُجْ مِنْهَا فَاِنَّكَ رَجِيْمٌ ۝ وَّ اِنَّ عَلَيْكَ لَعْنَتِيْٓ اِلٰى يَوْمِ الدِّيْنِ ۝ قَالَ رَبِّ فَاَنْظِرْنِيْٓ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ ۝ قَالَ فَاِنَّكَ مِنَ الْمُنْظَرِيْنَ ۝ اِلٰى يَوْمِ الْوَقْتِ الْمَعْلُوْمِ ۝ قَالَ فَبِعِزَّتِكَ لَاُغْوِيَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ ۝ اِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِيْنَ ۝

''ارشاد ہوا: اے ابلیس! کس چیز نے باز رکھا تمہیں اس کو سجدہ کرنے سے جسے میں نے پیدا کیا اپنے دونوں ہاتھوں سے، کیا تو نے تکبر کیا یا تو اپنے آپ کو اس سے عالی مرتبہ خیال کرتا ہے۔ وہ (گستاخ) بولا: میں بہتر ہوں اس سے تو نے پیدا کیا مجھے آگ سے اور پیدا کیا ہے اسے کیچڑ سے۔ حکم ملا (اے بے حیا!) نکل جا؛ تو جنت سے بے شک تو پھٹکارا گیا ہے اور بے شک تجھ پر میری لعنت برسے گی قیامت تک۔ ابلیس بولا: اگر یہی اٹل فیصلہ ہے تو میرے رب مجھے مہلت دیجئے روز حشر تک۔ جواب ملا: بے شک تو مہلت دیے

جانے والوں میں سے ہے یہ مہلت مقررہ وقت کے دن تک ہے۔ کہنے لگا: تیری عزت کی قسم! میں ضرور گمراہ کردوں گا ان سب کو سوائے تیرے ان بندوں کے جنہیں ان میں سے تو نے چن لیا''۔

مَا مَنَعَكَ کس نے تجھے حکم بجالانے سے پھیر دیا اور اس سے روک دیا کہ تو سجدہ کرے لِمَا خَلَقْتُ بِيَدَيَّ اللہ تعالیٰ نے اس کی خلقت کو اپنی ذات کی طرف منسوب کیا مقصود حضرت آدم علیہ السلام کی کرامت کا اظہار کا تھا اگرچہ وہ ہر شے کا خالق ہے یہ اسی طرح ہے جس طرح اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف روح، بیت، ناقہ اور مساجد کو مضاف کیا لوگوں سے اسی طریقہ سے خطاب کیا جس طرح لوگ اپنے معمولات میں آگاہ تھے کیونکہ مخلوقات میں سے رئیس اپنے ہاتھ سے کوئی کام نہیں کرتا مگر اس شے کی عظمت بیان کرنا مقصود ہوتا ہے یہاں بھی ید کا ذکر اسی معنی میں ہے۔ مجاہد نے کہا یہاں ید کا ذکر تاکید کے لیے اور زائد ہے اس کا معنی ہے لما خلقت انا جس طرح اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: وَّيَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ (الرحمٰن: 27) اس سے مراد یبقی ربك ہے۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی تخلیق میں ید کے ذکر میں یہ دلیل ہے کہ یہاں یہ لفظ نعمت، قوت اور قدرت کے معنی میں نہیں یہ دونوں اللہ تعالیٰ کی ذات کی صفات میں سے دو صفتیں ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہاں ید سے مراد قدرت ہے یہ جملہ بولا جاتا ہے: مالی بھذا الامر ید اس کام کو بجالانے کی مجھ میں طاقت نہیں و مالی بالحمل الثقیل یدان اس بوجھ کو اٹھانے میں میری طاقت نہیں، اس معنی پر یہ چیز بھی دلالت کرتی ہے کہ بالا جماع پیدا کرنا قدرت کے ساتھ ہی واقع ہوتا ہے۔ شاعر نے کہا:

تَحَمَّلْتُ مِنْ عَفْرَاءَ مالیس لِی بِہٖ ولا لِلْجِبَالِ الرَّاسِیَاتِ یَدَانِ

میں نے عفراء سے یہ تکلیفیں اٹھائیں جن کو اٹھانے کی مجھ میں طاقت نہ تھی اور نہ ہی مضبوط پہاڑوں کو طاقت تھی۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: لِمَا خَلَقْتُ بِيَدَيَّ کا معنی ہے جسے میں نے واسطہ کے بغیر پیدا کیا کہا: تو نے سجدہ کرنے سے تکبر کیا یا تو اپنے رب پر تکبر کرنے والوں میں سے ہے۔ محمد بن صالح، شبل سے وہ ابن کثیر اور اہل مکہ سے بیدی استکبرت الف موصولہ کے ساتھ جملہ خبریہ کے طور پر پڑھا اَمْ كُنْتَ میں ام منقطع ہے جو بل کے معنی میں ہے یہ اسی طرح ہے جس طرح اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ (ہود: 13) ہے جس نے ہمزہ استفہام پڑھا ہے تو اس کے نزدیک ام متصلہ ہوگا اور اس کا مابعد ہمزہ کے مابعد کا معادن ہوگا ہمزہ استفہام تقدیر و توبیخ کے لیے ہوگا یعنی جب تو نے حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنے سے انکار کیا کیا تو نے اپنے آپ کو بڑا جانا یا تو اس قوم سے ہے جو تکبر کرتے ہیں تو تو نے بھی اس وجہ سے تکبر کیا۔

قَالَ اَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ فراء نے کہا: عربوں سے کچھ کہتے ہیں انا اخیر منه واشر منه اصل یہی ہے مگر کثرت استعمال کی وجہ سے ہمزہ حذف ہو گیا۔

خَلَقْتَنِيْ مِنْ نَّارٍ وَّ خَلَقْتَهٗ مِنْ طِيْنٍ۝ اس نے آگ کو مٹی پر فضیلت دی جبکہ یہ اس کی جانب سے جہالت تھی کیونکہ جواہر ایک دوسرے کی ہم جنس ہیں۔ اس نے قیاس کیا تو اس نے قیاس میں خطا کی۔ سورۃ الاعراف میں اس کی وضاحت گزر چکی ہے۔

تو جنت سے نکل جا اور تو شہابیوں سے رجم کیا جانے والا ہے تیرے لیے میری رحمت سے دوری قیامت کے دن تک کے لیے ہے۔ اس نے کیونکہ کفر پر اصرار کیا اس لیے اس امر کی وضاحت کی کیونکہ لعنت تو اس روز منقطع ہو جاتی ہے پھر جب جہنم میں اسے داخل کر دیا جائے گا تو اس کے حق میں لعنت کا ثابت ہونا ظاہر ہو جائے گا قَالَ رَبِّ فَأَنْظِرْنِيٓ إِلَىٰ يَوْمِ يُبْعَثُونَ ۝ ملعون نے تو یہ ارادہ کیا تھا کہ اسے موت نہ آئے تو اس کی گزارش قبول نہ کی گئی یہ وہ دن ہے جس میں مخلوق کو موت لاحق ہوئی اس کے ساتھ نرمی کرتے ہوئے اسے مہلت دی گئی۔

قَالَ فَبِعِزَّتِكَ لَأُغْوِيَنَّهُمْ أَجْمَعِينَ ۝ جب اللہ تعالیٰ نے اسے حضرت آدم علیہ السلام کے سبب دھتکارا تو اس نے اللہ تعالیٰ کی عزت کی قسم اٹھائی کہ وہ شہوات کو مزین کرنے اور ان پر شبہات وارد کرنے کے ساتھ انسانوں کو گمراہ کرے گا لَأُغْوِيَنَّهُمْ کا معنی ہے میں انہیں معاصی کی طرف بلاؤں گا جبکہ یہ معلوم ہے کہ وہ وسوسہ کے سوا کسی چیز پر رسائی نہیں رکھتا اگر وہ وسوسہ نہ کرتا تو وہ کسی کی زندگی میں فساد نہیں ڈال سکتا تھا مگر اسی کے لیے ایسا کر سکتا ہے جو اپنی اصلاح نہیں کرتا اسی وجہ سے فرمایا: إِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِينَ ۝ یعنی وہ لوگ مستثنیٰ ہیں جن کو تو نے اپنی عبادت کے لیے خالص کر دیا ہے اور جس کو تو نے مجھ سے محفوظ کر دیا ہے۔ سورۃ الحجر میں یہ بحث مفصل گذر چکی ہے۔

قَالَ فَالْحَقُّ وَالْحَقَّ أَقُولُ ۝ لَأَمْلَأَنَّ جَهَنَّمَ مِنْكَ وَمِمَّنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ أَجْمَعِينَ ۝ قُلْ مَآ أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ وَمَآ أَنَا مِنَ الْمُتَكَلِّفِينَ ۝ إِنْ هُوَ إِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعَالَمِينَ ۝ وَلَتَعْلَمُنَّ نَبَأَهُ بَعْدَ حِينٍ ۝

''فرمایا: تو میں حق ہوں اور میں سچ ہی کہتا ہوں، میں ضرور بھر دوں گا جہنم کو تجھ سے اور تیرے سب فرمانبرداروں سے۔ آپ فرمایئے: میں نہیں مانگتا تم سے کوئی اجر اور نہ میں بناوٹ کرنے والوں میں سے ہوں۔ نہیں ہے یہ قرآن مگر نصیحت سب جہانوں کے لیے۔ اور (اے کفار) تم ضرور جان لوگے اس کی خبر کچھ عرصہ بعد''۔

قَالَ فَالْحَقُّ وَالْحَقَّ أَقُولُ ۝ یہ اہل حرمین، اہل بصرہ اور کسائی کی قراءت ہے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، مجاہد، عاصم، اعمش اور حمزہ نے پہلے لفظ الحق کو رفع دیا۔ فراء نے اس میں جر کو بھی جائز قرار دیا ہے۔ دوسرے میں اختلاف نہیں کہ وہ أَقُولُ کی وجہ سے منصوب ہے اور پہلے کو نصب اغراء کی وجہ سے ہے تقدیر کلام یہ ہوگی فاتبعوا الحق واستمعوا الحق دوسرا لفظ الحق اس وجہ سے منصوب ہے کیونکہ قول کا فعل اس پر واقع ہو رہا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ أُحِقُّ الْحَقَّ کے معنی میں ہے۔ ابوعلی نے کہا: پہلا الحق فعل مضمر کی وجہ سے منصوب ہے تقدیر کلام یہ ہوگی یحق اللہ الحق یا یہ قسم کی وجہ سے منصوب ہے اور حرف جار کو حذف کر دیا گیا ہے جس طرح تو کہتا ہے: اللہ لافعلن معنی ہوگا فرمایا: حق کی قسم! اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات کی قسم اٹھائی وَالْحَقَّ أَقُولُ یہ جملہ ہے جو قسم اور جواب قسم کے درمیان ہے یہ قصہ تاکید کے لیے آیا ہے جب لفظ الحق کو فعل

مضمر کے ساتھ منصوب بنایا جائے گا تو لَاَمۡلَئَنَّ قسم کے ارادہ پر کلام ہوگی۔

فراء اور ابوعبید نے الحق کو حقا کے معنی میں کرتے ہوئے منصوب ذکر کیا ہے یہ تعبیر نحویوں کی ایک جماعت کے نزدیک غلط ہوگی یہ کہنا جائز نہیں زیدا الاضربن کیونکہ لام کا مابعد ماقبل سے الگ ہوتا ہے اس لیے مابعد ماقبل میں عمل نہیں کرتا دونوں کے قول کے مطابق لاملأن جهنم حقا۔ جس نے لفظ الحق کو مرفوع پڑھا تو اس نے مبتدا ہونے کی حیثیت سے مرفوع پڑھا ہے تقدیر کلام یہ ہوگی فانا الحق یا الحق منی۔ دونوں نے مجاہد سے روایت نقل کی ہے یہ بھی جائز ہے کہ تقدیر کلام یہ ہو هذا الحق۔

سیبویہ اور فراء کے مذہب کے مطابق تیسرا قول ہے: حق یہ ہے کہ جہنم کو بھر دوں گا، مجرور پڑھنے کی صورت میں دو قول ہیں: یہ ابن سمیقع اور طلحہ بن مصرف کی قراءت ہے (1) حرف قسم محذوف ہے؛ یہ فراء کا قول ہے جس طرح وہ کہا کرتے: الله عزوجل لافعلن سیبویہ نے اس جیسی صورت کے جواز کا قول کیا ہے۔ ابو العباس نے اس میں غلطی کی ہے وہ جر کو جائز قرار نہیں دیتے کیونکہ حروف جار کو مضمر نہیں کیا جاتا (۲) دوسرا قول یہ ہے کہ فاء، واؤ قسم کا بدل ہے جس طرح انہوں نے یہ شعر ذکر کیا:

فَمِثْلِكِ حُبْلَى قد طَرَقْتُ ومُرْضِعٍ

یہاں محل استدلال مثلك ہے۔

لَاَمۡلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنۡكَ، مِنۡكَ سے مراد تیری ذات اور تیری اولاد ہے وَ مِمَّنۡ تَبِعَكَ سے مراد بنی آدم ہے قُلۡ مَاۤ اَسۡـَٔلُكُمۡ عَلَيۡهِ مِنۡ اَجۡرٍ وحی کی تبلیغ پر کسی انعام کا مطالبہ نہیں کرتا۔ وحی کے ذکر کی تبلیغ کے بعد علیہ کی ضمیر اس کے لیے ذکر کی ایک قول یہ کیا گیا عَلَيۡهِ کی ضمیر ءَاُنۡزِلَ عَلَيۡهِ الذِّكۡرُ مِنۡۢ بَيۡنِنَا کی طرف لوٹ رہی ہے وَّمَاۤ اَنَا مِنَ الۡمُتَكَلِّفِيۡنَ ۞ نہ میں تکلیف کرتا ہوں اور جس کا مجھے حکم نہیں دیا جاتا میں اسے اندازہ نہیں کہتا مسروق نے حضرت عبدالله بن مسعود رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کی ہے: جس سے کسی ایسی چیز کے بارے سوال کیا جائے جس کا وہ علم نہ رکھتا ہو وہ کہہ دے میں نہیں جانتا اور وہ تکلف سے کام نہ لے کیونکہ اس کا کہنا لا اعلم یہ بھی علم ہے الله تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ارشاد فرمایا: قُلۡ مَاۤ اَسۡـَٔلُكُمۡ عَلَيۡهِ مِنۡ اَجۡرٍ وَّمَاۤ اَنَا مِنَ الۡمُتَكَلِّفِيۡنَ ۞

رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: للمتكلف ثلاث علامات ينازع من فوقه ويتعاطى ما لاينال ويقول مالا يعلم (1) متکلف کی تین علامتیں ہیں وہ اپنے برتر سے جھگڑا کرتا ہے وہ ایسی چیز کا لین دین کرتا ہے جو پاتا نہیں اور وہ کہتا ہے جو نہیں جانتا ہے۔

دار قطنی کی سند سے وہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کرتے ہیں کہ رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم ایک سفر میں نکلے آپ رات کو چلتے رہے صحابہ ایک ایسے آدمی کے پاس سے گزرے جو اپنے حوض کے پاس بیٹھا ہوا تھا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس سے پوچھا: اے حوض والے! آج رات تیرے حوض پر درندے آئے ہیں؟ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے ارشاد فرمایا: ''اے حوض والے! اسے نہ بتانا یہ تکلف کرنے والا ہے۔ ان درندوں کے لیے وہ ہے جو انہوں نے پی لیا اور ہمارے لیے وہ ہے جو باقی ہے وہ

1۔ احکام القرآن لابن العربی، جلد 4، صفحہ 1655

مشروب ہے اور پاک کرنے والا ہے"۔

موطا میں یحییٰ بن عبدالرحمن بن حاطب سے مروی ہے کہ حضرت عمر بن خطاب ایک قافلہ میں نکلے ان میں حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ تھے یہاں تک کہ وہ ایک حوض پر وارد ہوئے حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے کہا: اے حوض والے! کیا تیرے حوض پر درندے وارد ہوتے ہیں؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اے حوض والے! ہمیں نہ بتا ہم درندوں پر وارد ہوتے ہیں اور درندے ہم پر وارد ہوتے ہیں۔ سورۂ فرقان میں پانیوں کے بارے میں بحث گزر چکی ہے۔

اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿۸۷﴾ ھو ضمیر سے مراد قرآن ہے، عالمین سے مراد جن اور انسان ہیں وَ لَتَعْلَمُنَّ نَبَاَهٗ بَعْدَ حِيْنٍ ﴿۸۸﴾ ہ ضمیر سے مراد ذکر ہے اور ذکر سے مراد قرآن ہے یعنی وہ حق ہے(1)۔

بَعْدَ حِيْنٍ قتادہ نے کہا: موت کے بعد۔ زجاج نے بھی یہی قول کیا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، عکرمہ اور ابن زید نے کہا: یوم قیامت۔ فراء نے کہا: موت کے بعد موت سے پہلے۔ جب مسلمانوں کی تلواریں تمہیں اپنی گرفت میں لے لیں گی تو تمہارے لیے اس قول کی حقیقت ظاہر ہوگی جو میں تمہیں کہتا ہوں۔ سدی نے کہا: حین سے مراد یوم بدر ہے۔ حضرت حسن بصری کہا کرتے تھے: اے انسان! موت کے وقت یقینی خبر تیرے پاس پہنچے گی(2)۔ عکرمہ سے اس آدمی کے بارے میں پوچھا گیا جس نے یہ قسم اٹھائی لیصنعن کذا الی حین فرمایا: بعض حین ایسے ہیں جس کا تو ادراک نہیں کرسکتا جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَ لَتَعْلَمُنَّ نَبَاَهٗ بَعْدَ حِيْنٍ ﴿۸۸﴾ اور بعض حین ایسے ہیں جس کا تو ادراک کر لیتا ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: تُؤْتِيْۤ اُكُلَهَا كُلَّ حِيْنٍۭ بِاِذْنِ رَبِّهَا (ابراہیم: 25) گابے نکلنے سے کھجور کاٹنے تک چھ ماہ کا عرصہ لگتا ہے۔

اس بارے میں گفتگو سورۂ بقرہ اور سورۂ ابراہیم میں گزر چکی ہے۔

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 112
2۔ تفسیر حسن بصری، جلد 4، صفحہ 393